ماہِ رمضان اور عشرۂ ذوالحجہ سے متعلق دروس

تقدیم

عبداللطیف بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل الشیخ
وزیرِ امورِ اسلامی اور دعوت وارشاد

اعداد

دفترِ علمی، معالی وزیر امورِ اسلامی اور دعوت وارشاد

اردو ترجمہ

ابو عبداللہ ممتاز عالم نسیم احمد نوری مدنی

ناشر

مولانا ابوالکلام آزاد یتیم خانہ

کوسہ، ممبرا، تھانہ، ممبئی، انڈیا (400612)۔

©جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

ماہ رمضان اور عشرہ ذی الحجہ سے متعلق دروس

(دروس شهر رمضان وعشر ذي الحجة)

تألیف..معالي الشیخ د. عبداللطیف بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل الشیخ

ترجمہ..ممتاز عالم نسیم احمد نوری مدنی

سالِ اشاعت..(جولائی)2025ء

تعداد اشاعت..1100

صفحات..194

ٹائپنگ..حامد انور محمدی/راشد انور محمدی

تنسیق وترتیب..شاہد انور بن نظام الدین خان

طبع على نفقة فاعلي الخير من أهالي مركز صبيح
بمنطقة القصيم بالمملكة العربية السعودية
(جزاهم الله خيرا وجعل ما يقدمونه لخدمة الإسلام والمسلمين في ميزان حسناتهم)

ناشر:

مولانا ابوالکلام آزاد یتیم خانہ

مدینہ ہاؤس بنگلہ نمبر ۸، نزد سمیہ ہائی اسکول،

چاند نگر، کوسہ، ممبرا، تھانہ

فہرست

دروس ماہِ رمضان..6

مقدمہ..7

سبق نمبر1: ماہِ رمضان کا استقبال...9

سبق نمبر2: رمضان کے مہینے کی فضائل...13

سبق نمبر3: روزہ کی فضیلت اور اس کے مشروع ہونے کی حکمت............................17

سبق نمبر4: مفطراتِ صائم..21

سبق نمبر5: رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی جائز وجوہات.......................................26

سبق نمبر6: روزہ کے لئے مستحب اور مکروہ اعمال..31

سبق نمبر7: نماز دین کا ستون ہے...35

سبق نمبر8: ولی امر کے حقوق..41

سبق نمبر9: نماز تراویح کے احکام..45

سبق نمبر10: قرآن کریم کی تلاوت اور تدبر کی فضیلت.......................................50

سبق نمبر11: قرآنِ کریم کی تلاوت کے احکام..54

سبق نمبر12: رمضان میں خیر کے مختلف طریقوں میں خرچ کرنے کی فضیلت..............58

سبق نمبر13: زکوٰۃ کا حکم اور اس کے وجوب کی شرائط.......................................64

سبق نمبر14: وہ اموال جن پر زکات فرض ہے..69

سبق نمبر15: باقی وہ اموال جن پر زکات واجب ہے...72

سبق نمبر16:زکوٰۃ کے مستحق لوگ..........77
سبق نمبر17:زکوٰۃ کے معاصر مسائل..........82
سبق نمبر18:اعتکاف..........85
سبق نمبر19:رمضان کا آخری عشرہ..........90
سبق نمبر20:شب قدر..........93
سبق نمبر21:توحید کے اقسام اور اس کے فضائل..........96
سبق نمبر22:قیام اللیل کی فضیلت..........101
سبق نمبر23:سب سے عظیم گناہ..........105
سبق نمبر24:جنت کی وصف اور اس میں داخلے کے اسباب..........109
سبق نمبر25:دوزخ کی صفت اور اس میں داخلے کے اسباب..........113
سبق نمبر26:دعا..........118
سبق نمبر27:اعمال کے قبول ہونے کے شرائط..........124
سبق نمبر28:زکوٰۃ الفطر..........129
سبق نمبر29:رمضان کا اختتام..........133
سبق نمبر30:ذکر اللہ تعالیٰ..........138
دروس عشرذی الحجہ..........142
پہلا سبق:ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کا استقبال..........143
دوسرا سبق:ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں تکبیر کا بیان..........149
تیسرا سبق:حج اور عمرہ(1)..........154

چوتھا سبق: حج وعمرہ(۲)..160

پانچواں سبق: حج میں توحید کے معالم (نشانیاں)..163

چھٹا سبق: حج میں بدعتیں اور مخالفتیں..171

ساتواں سبق: قربانی کے احکام(۱)..177

آٹھواں سبق: قربانی کے احکام (۲)..181

نواں سبق: عرفہ کا دن غیر حاجیوں کے لیے..186

دسواں سبق: یوم النحر کی فضیلت اور احکام 190

دروس ماہ رمضان

مقدمہ

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، درود و سلام ہوں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی آل اور تمام صحابہ کرام پر۔ اما بعد:

۞ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو خیر و برکت کے کئی خاص مواقع عطا فرمائے ہیں، جن میں سے بعض درج ذیل ہیں:

✓ **ماہِ رمضان المبارک** — یہ سال کے تمام مہینوں میں سب سے افضل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے بے شمار خصوصیات اور فضائل سے نوازا ہے۔ اس ماہ میں مسلمان روزے رکھتے ہیں، قیام اللیل کرتے ہیں، قرآن کی تلاوت میں مشغول رہتے ہیں اور دیگر نیک اعمال بجالاتے ہیں۔

✓ **عشرۂ ذوالحجہ** — یہ بھی سال کے افضل ترین ایام میں شمار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے عظیم برکات اور فضائل سے نوازا ہے۔ ان دنوں میں مسلمان مختلف نیک اعمال کی طرف خوب مائل ہوتے ہیں، جیسے روزہ رکھنا، قیام کرنا، ذکر و اذکار کرنا، قرآن کی تلاوت کرنا اور دیگر عبادات جو انہیں اپنے رب کے قریب کرتی ہیں۔

اسی بنا پر **وزارتِ برائے امورِ اسلامی اور دعوت وارشاد** نے ایک مختصر کتاب کی تیاری کا اہتمام کیا، جو **ماہِ رمضان اور عشرۂ ذوالحجہ کے دروس** پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ تمام ضروری احکام اور فضائل شامل کیے گئے ہیں، جن کی ان مبارک اوقات میں مسلمانوں کو ضرورت ہوتی ہے، جیسے: **روزے، زکوۃ، قیام، تلاوتِ قرآن، حج، عمرہ اور قربانی کے احکام، مسلمان کے عقیدے سے متعلق ضروری امور، نیک اعمال کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کی تلقین، آخرت کی یاد دہانی۔**

یہ کتاب **اس مبارک ملک میں دیئے جانے والے فتاویٰ** کی روشنی میں تیار کی گئی ہے، اور اس میں **اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء** اور **شیخ عبدالعزیز بن باز** اور **شیخ محمد بن صالح العثیمین** رحمہما اللہ کے فتاویٰ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، اس کی تیاری میں **"الفقہ المیسر "** نامی کتاب سے بھی استفادہ کیا گیا، جو وزارتِ امورِ اسلامی اور دعوت وارشاد کی جانب سے شائع کی گئی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ اس کتاب کو نفع بخش بنائے، اور تمام مسلمانوں کو ان اعمال کی توفیق عطا فرمائے جو اس کی رضا کا سبب بنیں۔

وزیرِ امورِ اسلامی اور دعوت وارشاد

ڈاکٹر عبد اللطیف بن عبد العزیز آل الشیخ

سبق نمبر 1: ماہِ رمضان کا استقبال

تمام تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لیے ہیں، درود و سلام ہوں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی آل اور تمام صحابہ کرام پر۔ امابعد:

تم پر ایک عظیم اور بابرکت مہینہ سایہ فگن ہو چکا ہے، اور وہ ہے **ماہِ رمضان**۔ یہ **روزے، قیام، گناہوں سے نجات، مغفرت اور اجروں کی کئی گنا بڑھوتری کا مہینہ** ہے۔ جو اس مہینے میں اللہ کی رحمت سے بہرہ مند ہوا، وہی کامیاب و کامران ہے، اور جو اس کی بھلائی سے محروم رہا، وہی درحقیقت خسارے میں ہے۔ جو شخص اس مہینے میں اپنے رب سے قریب نہ ہوا، وہ یقیناً ملامت کا مستحق ہے۔ کتنے ہی لوگ ایسے تھے جو اس مہینے کے روزے رکھنے کی امید رکھتے تھے، لیکن ان کی امید پوری نہ ہو سکی، اور وہ قبر کی تاریکیوں میں جا بسے۔ اس لیے **اللہ کی اس نعمت کو محسوس کریں کہ اس نے آپ کو رمضان کا مہینہ نصیب فرمایا** اور اس پر خوشی و مسرت کا اظہار کریں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی آمد پر **اپنے صحابہ کو خوشخبری سناتے** اور انہیں اس مہینے میں نیک اعمال میں اجتہاد کرنے، اس کے بابرکت لمحات کو اللہ کی قربت میں گزارنے کی ترغیب دیتے تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"جب رمضان آتا ہے تو رحمت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے"**۔ متفق علیہ[1]۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"جب رمضان کی پہلی رات آتی ہے تو شیاطین اور سرکش جنوں کو جکڑ دیا جاتا ہے، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ نہیں کھولا جاتا، جبکہ جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں اور ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا۔ ایک منادی ندا دیتا ہے: اے نیکی کے طلبگار! آگے بڑھ، اور اے برائی کے خواہاں! رک جا۔ اور اللہ تعالیٰ (اس مہینے میں) ہر رات جہنم سے لوگوں کو آزاد فرماتے ہیں"۔ ترمذی شریف**[2]، **سلفِ صالحین** رمضان کے مہینے کو پانے پر بے حد خوش ہوتے تھے، اور اس میں **عبادات، نیک اعمال، اور اطاعت الٰہی میں مزید محنت و مشقت کرتے** اور اپنے آپ کو عبادات کے لیے فارغ کر لیتے تھے۔

---

(1) اس کی تخریج امام بخاری (1899) اور مسلم (1079) نے کی ہے اور یہ لفظ مسلم شریف کا ہے۔

(2) یہ روایت: ترمذی: 682، نسائی: 2107، ابن ماجہ: 1642، حاکم: 1532 کی ہے، اور امام حاکم نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے، اور علامہ البانی نے اسے صحیح سنن ترمذی میں صحیح قرار دیا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے، اس مبارک ماہِ رمضان کا استقبال پختہ عزم کے ساتھ کریں کہ آپ اس میں اپنے رب کے قریب ہونے کی بھرپور کوشش کریں گے اور اس کے مبارک لمحات کو نیک اعمال میں گزاریں گے۔ اور توبہ میں جلدی کریں، اللہ کی طرف رجوع کریں اور تمام گناہوں سے سچی توبہ کریں، کیونکہ آپ کا رب بہت زیادہ بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ وَيَعْفُوا عَنِ السَّيِّئَاتِ وَيَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (ترجمہ: اور وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور گناہوں کو معاف فرماتا ہے، اور جو کچھ تم کرتے ہو اسے جانتا ہے)۔ [سورۃ الشوریٰ: 25]، اور فرض عبادات کو مکمل اور بہتر طریقے سے ادا کریں رمضان کے بابرکت مہینے میں فرائض کی ادائیگی میں خوب محنت کریں اور انہیں بہترین طریقے سے ادا کریں، اسی طرح نوافل اور دیگر عبادات میں اضافہ کریں زیادہ سے زیادہ نفلی عبادات، اذکار، تلاوتِ قرآن، صدقہ و خیرات، اور دعا میں مشغول رہیں۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ حدیثِ قدسی میں فرماتے ہیں: "میرا بندہ جن چیزوں سے میرا قرب حاصل کرتا ہے، ان میں سب سے زیادہ محبوب وہ فرائض ہیں جو میں نے اس پر لازم کیے ہیں۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں اسے ضرور عطا کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے ضرور پناہ دیتا ہوں"۔ (بخاری) [1]۔

○ اے روزہ دارو! اس مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کو کثرت سے اپناؤ۔ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ہر عمل میں سب سے افضل وہ لوگ ہیں جو اس عمل میں سب سے زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والے ہوں؛ چنانچہ سب سے افضل روزہ دار وہ ہے جو اپنے روزے کے دوران زیادہ سے زیادہ اللہ کو یاد کرے، اور سب سے بہترین صدقہ دینے والا وہ ہے جو صدقے کے ساتھ اللہ کا ذکر زیادہ کرے... اور یہی معاملہ دیگر تمام اعمال کا بھی ہے" [2]۔ پس اللہ کی تسبیح، تحمید، تہلیل، تکبیر، استغفار اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود و سلام کو اپنی زندگی کا حصہ بناؤ۔ قرآن کی تلاوت ذکر کی سب سے افضل شکل ہے، اور اس پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے [3]۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿شَهْرُ

---

(1) اسے امام بخاری نے حدیث نمبر (۶۵۰۲) میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے اپنی کتاب «القواعد المثلى في صفات الله وأسمائه الحسنى» (صفحہ ۶۹) میں اس حدیث کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا: "اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو اس کے سننے، دیکھنے اور عمل کرنے میں توفیق عطا فرماتا ہے، یہاں تک کہ اس کا سننا، دیکھنا، ہاتھوں سے عمل کرنا اور قدموں سے چلنا سب کچھ اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے، اور اللہ ہی کی مدد سے ہوتا ہے، اور اللہ کے دین و شریعت کے مطابق اور اس کے احکام کی پیروی میں ہوتا ہے"۔

(2) الوابل الصیب، ص: 104۔

(3) دیکھیں: مجموع الفتاویٰ لابن تیمیہ (جلد ۲۴، صفحہ ۲۳۸)۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ **"ماہِ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا"۔**[البقرۃ:185]اسی لیے اس مہینے میں قرآن کی تلاوت کی خاص فضیلت ہے۔ جبریل علیہ السلام رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دورہ کرتے تھے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم پورے قرآن کا اعادہ فرماتے تھے۔اور قرآن کے ہر حرف پر دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور نیکیاں رمضان میں کئی گنا بڑھ جاتی ہیں۔

پس اس ماہِ مبارک میں زیادہ سے زیادہ تلاوتِ قرآن کا اہتمام کرو تاکہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور بے شمار نیکیاں حاصل کرسکو۔ پس نیکی، اطاعت اور احسان کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاؤ، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور رمضان کے مہینے میں ان کی سخاوت سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خیر و بھلائی کرنے والے تھے، اور رمضان میں جب جبریل علیہ السلام ان سے ملاقات کرتے، تب ان کی سخاوت مزید بڑھ جاتی۔ جبریل علیہ السلام رمضان کی ہر رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتے یہاں تک کہ رمضان مکمل ہو جاتا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سامنے قرآن کا اعادہ فرماتے۔ جب جبریل علیہ السلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خیر و بھلائی میں تیز چلنے والی ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے"۔(متفق علیہ) (۱)

پس اللہ آپ پر رحم فرمائے! اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے والے سلفِ صالحین کی پیروی کرو، اور اس پر اللہ کے ہاں اجر کی امید رکھو۔ اپنے دن اور رات کو ان چیزوں سے محفوظ رکھو جنہیں اللہ نے تم پر حرام قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"جو شخص جھوٹی بات، اس پر عمل اور جہالت نہ چھوڑے، تو اللہ کو اس کے بھوکا اور پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں"۔** (صحیح بخاری) (۲) نیز، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **"روزہ ڈھال ہے، اور جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو وہ بے حیائی کی بات نہ کرے اور نہ شور و شغب کرے۔ اگر کوئی اسے گالی دے یا اس سے جھگڑا کرے تو اسے کہہ دینا چاہیے: میں روزے سے ہوں"۔** (متفق علیہ) (۳) جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **"جب تم روزہ رکھو تو تمہاری سماعت، بصارت اور زبان جھوٹ، حرام اور گناہوں سے بھی روزے**

---

(1)اسے بخاری (۱۹۰۲) اور مسلم (۲۳۰۸) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(2)اسے بخاری (۲۰۵۷) نے روایت کیا ہے۔

(3)اسے بخاری (۱۹۰۴) اور مسلم (۱۱۵۱) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

میں رہیں۔ اپنے پڑوسی کو اذیت نہ دو، اور تمہارے اندر وقار اور سکون ہونا چاہیے۔ تمہارا روزہ اور روزہ نہ ہونے کا دن برابر نہ ہو"۔ (مصنف ابن ابی شیبہ) [١]۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ بابرکت دن ایسے کاموں میں گزار دیے جائیں جو صرف مباحات اور فضولیات میں وسعت پیدا کرتے ہیں، یا اس سے بھی بدتر گناہوں اور حرام کاموں میں پڑنے کا ذریعہ بنتے ہیں، جیسے اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ کیونکہ گناہوں اور نافرمانیوں کا نقصان دل کے لیے ایسا ہی ہے جیسے زہریلے مواد کا نقصان جسم کے لیے [٢]۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **"اگر تم رات کے قیام اور دن کے روزے پر قدرت نہیں رکھتے، تو جان لو کہ تم محروم ہو، اور تمہیں تمہارے گناہوں نے جکڑ رکھا ہے"۔**

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **"بندہ گناہ کرتا ہے، تو اس کے سبب اسے قیام اللیل سے محروم کر دیا جاتا ہے"** [٣]۔

پس اے روزہ دارو! اپنے اس مبارک مہینے کا استقبال نیکیوں میں سبقت، اور برائیوں کے ترک کے ساتھ کرو۔ کیونکہ اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور زندگی و موت کو اس لیے مقرر کیا کہ وہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم میں سے کون زیادہ اطاعت گزار ہے اور اللہ کی رضا کے حصول میں کون زیادہ تیز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ﴾ [سورۃ الملک: 2] [٤]، ترجمہ: (جس نے موت اور حیات کو اس لئے پیدا کیا کہ تمہیں آزمائے کہ تم میں اچھے کام کون کرتا ہے، اور وہ غالب اور بخشنے والا ہے)۔ واللہ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے آل و صحابہ پر درود و سلام بھیجے۔

☆☆☆

---

(1) اسے ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب "المصنَّف" میں روایت کیا ہے (حدیث نمبر 8880)۔

(2) دیکھیے: الجواب الکافی لابن القیم، صفحہ (٢٦)۔

(3) دیکھیے: لطائف المعارف لابن رجب، صفحہ (٤٦)۔

(4) دیکھیے: تفسیر الطبری (٢٣/٥٠٥)۔

سبق نمبر2: رمضان کے مہینے کی فضائل

تمام تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لیے ہیں، درود وسلام ہوں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی آل اور تمام صحابہ کرام پر۔ امابعد:

۵ رمضان کے مہینے کی بہت ساری فضائل اور عظمتیں ہیں، جن میں سے:

1-اللہ نے رمضان کو خاص کر کے روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اسے دین کے ارکان میں شامل کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اسلام پانچ ارکان پر قائم ہے: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکات دینا، حج کرنا، اور رمضان کے روزے رکھنا» متفق علیہ (۱)۔

2-اللہ نے اس مہینے میں اپنی عظیم ترین کتاب، یعنی قرآن مجید نازل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ [البقرۃ: 185]، ترجمہ: (ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی حق وباطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اسے اس ماہ کا روزہ رکھنا چاہئے)۔

3-اس مہینے میں جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کیے جاتے ہیں، اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں، اور شیطانوں کو جکڑ دیا جاتا ہے»۔ مسلم (۲)، اور رمضان کے مہینے میں جنت کے دروازے اس لیے کھولے جاتے ہیں کیونکہ اس ماہ میں نیک اعمال کی کثرت ہوتی ہے اور عمل کرنے والوں کو اس طرح ترغیب دی جاتی ہے، دوزخ کے دروازے اس لیے بند کیے جاتے ہیں کہ ایمان والوں کے گناہ کم ہوتے ہیں، اور شیطانوں کو اس لیے جکڑ دیا جاتا ہے تاکہ وہ ویسے نہ گناہ کروائیں جیسے وہ دوسرے مہینوں میں کروا پاتے ہیں۔

---

(1) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 8) اور الفاظ بھی انہی کے ہیں، نیز مسلم نے بھی روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 16)۔

(2) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 1079)۔

4-اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے روزہ اور قیام رمضان کو گناہوں کی معافی اور برائیوں کے مٹانے کا سبب بنایا ہے۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے، اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے" متفق علیہ (١)، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے رمضان میں قیام کیا ایمان اور احتساب کے ساتھ، اس کے پچھلے گناہ معاف کردیے جائیں گے"۔ متفق علیہ (٢)، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «پانچ نمازیں، جمعہ سے جمعہ، اور رمضان سے رمضان تک، یہ سب ایک دوسرے کے درمیان گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں، بشرطیکہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے» مسلم (٣)۔

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان کیا ہے کہ جو شخص رمضان کے روزے رکھے، اس میں قیام کرے، اور اسلام کے باقی ارکان کو بھی ادا کرے، ساتھ ہی اللہ کی اطاعت پر قائم رہے اور اللہ کی حرام کردہ چیزوں سے بچا رہے، تو وہ صدیقوں اور شہیدوں میں سے ہوگا۔ حضرت عمرو بن مرہ الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا: "یارسول اللہ! اگر میں گواہی دوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں، اور پانچ نمازیں پڑھوں، زکوۃ دوں، رمضان کے روزے رکھوں، اور قیام کروں تو میں کس میں سے ہوں گا؟" نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم صدیقوں اور شہیدوں میں سے ہوگے"۔ یہ روایت ابن حبان نے نقل کی ہے (٤)۔

5-اس عظیم ماہ رمضان کی فضیلتوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر دن اور رات میں رمضان کے دوران کچھ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ ہر دن اور رات میں (یعنی رمضان میں) کچھ لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے، اور ہر مسلمان کے لیے ہر دن اور رات میں ایک دعا قبول ہوتی ہے" (مسند احمد) (٥)۔

---

(1) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 38) اور الفاظ بھی انہی کے ہیں، نیز مسلم نے بھی روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 760)۔
(2) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 37) اور مسلم نے بھی روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 759)۔
(3) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 233، روایت نمبر: 16)۔
(4) اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 186) اور علامہ البانیؒ نے صحیح الترغیب والترہیب (حدیث نمبر: 361) میں اسے "الغیرہ" صحیح قرار دیا ہے۔
(5) اسے احمد نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 7450)، اور بزار نے بھی (حدیث نمبر: 962)؛ اور علامہ البانیؒ نے صحیح الترغیب والترہیب (حدیث نمبر: 1002) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

اے روزہ داروں! جس پر اللہ نے انعام فرمایا اور اسے رمضان کے مہینے تک پہنچایا اور اس نے اس ماہ مبارک میں اللہ کی اطاعت اور قربت کے ذریعے اس کا فائدہ اٹھایا، تو اس نے ایک بڑی نعمت حاصل کی اور عظیم خیر پایا۔ تو اس بابرکت مہینے میں روزہ رکھنے والے اور اپنے رب کے قریب جانے والے خوش نصیب ہیں، اور افسوس اور پچھتاوے میں ہیں وہ جو اس میں غفلت برتنے والے اور کوتاہی کرنے والے ہیں۔ حضرت مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے، جب ایک سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: "آمین"، پھر دوسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: "آمین"، پھر تیسری سیڑھی پر چڑھے تو فرمایا: "آمین"، پھر فرمایا: "میرے پاس جبرائیل آئے اور کہا: یا محمد، جس نے رمضان کو پایا اور اس کی مغفرت نہ ہوئی، اللہ اسے دور کر دے، میں نے کہا: آمین..." مکمل حدیث (ابن حبان) [1]۔

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمام لوگ صبح اٹھتے ہیں، تو ہر شخص اپنی جان کو بیچ رہا ہوتا ہے، یا تو وہ اسے اللہ کے راستے میں آزاد کرتا ہے، یا اسے ہلاک کر دیتا ہے" مسلم شریف [2]۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان اس دنیا میں صبح و شام سفر کرتا ہے، اور وہ اپنی جان کو بیچ رہا ہوتا ہے، یا تو وہ اللہ کے راستے میں اپنی جان کو بیچتا ہے، جس سے وہ اپنی کوتاہیوں اور غفلت سے آزاد ہو جاتا ہے، یا وہ اپنی جان کو شیطان کے راستے میں بیچتا ہے، جس سے وہ اپنی جان کو ہلاک کر دیتا ہے اور اس کا نقصان کرتا ہے۔ اور کامیاب وہ شخص ہے جو اپنی جان کو اللہ کے لیے بیچتا ہے، اور عبادات کی طرف جلدی کرتا ہے، حرام چیزوں سے بچتا ہے، اور عبادات کے موسموں کو غنیمت سمجھتا ہے۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

يَا ذَا الَّذِي مَا كَفَاهُ الذَّنْبُ فِي رَجَبٍ	حَتَّى عَصَى رَبَّه في شهر شعبانِ
لَقَدْ أَظَلَّكَ شَهرُ الصَّوْمِ بَعْدَهُمَا	فَلَا تُصَيِّرْهُ أَيْضًا شَهرَ عِصيانِ
وَاتْلُ القُرآنَ وَسَبِّحْ فِيهِ مُجْتَهِدًا	فَإِنَّهُ شَهْرُ تسبيح وقُرْآنِ
كَمْ كُنتَ تَعرِفُ مِمَّنْ صَامَ فِي سَلَفٍ	مِنْ بين أهلٍ وجيرانٍ وَإِخْوَانِ

---

[1] اسے ابن حبان نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 3757)، اور طبرانی نے المعجم الکبیر میں (حدیث نمبر: 649)؛ اور علامہ البانیؒ نے صحیح الترغیب والترھیب (حدیث نمبر: 996) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[2] اسے مسلم نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 223)، یہ اس طویل حدیث کا حصہ ہے: «الطهور شطر الإيمان...» (یعنی: طہارت آدھا ایمان ہے...)۔

أَفْنَاهُمُ الموتُ وَاستَبْقَاكَ بَعْدَهُمُ   حَيًّا فَمَا أَقْرَبَ القَاصِي مِنَ الدَّانِي

ترجمہ: اے وہ شخص جسے رجب کے مہینے میں گناہ کر کے بس نہ ہوا، پھر شعبان میں اپنے رب کے خلاف گناہ کیا، تمہیں ان دونوں کے بعد رمضان کا مہینہ آگیا ہے، تو اسے بھی گناہوں کا مہینہ نہ بنالینا۔ اس مہینے میں قرآن پڑھو اور اس میں پوری کوشش سے تسبیح کرو، کیونکہ یہ قرآن اور تسبیح کا مہینہ ہے۔ کتنے ہی لوگ تھے جو تم سے پہلے رمضان کے روزے رکھتے تھے، وہ تمہارے اہل، پڑوسیوں اور بھائیوں میں سے تھے، موت نے ان کا خاتمہ کیا اور تمہیں ان کے بعد زندہ رکھا، تو تمہارے لیے یہ بات کتنی قریب ہے کہ تم ان سے مل جاؤ۔ (۱)

اور بے شک سلف صالحین رمضان کے مہینے سے خوش ہوتے تھے اور اسے عبادت کے لیے خاص طور پر فارغ وقت دینے میں مشغول رہتے تھے، کیونکہ انہیں اس کے فضل اور اس میں عظیم انعام کا علم تھا۔ اللہ تعالی ہمیں ان کے راستے پر چلنے والوں میں شامل کرے اور ہمیں خیرات کے موسموں کو غنیمت سمجھنے کی توفیق دے، اور ہمارے گناہ اور کوتاہیوں کو معاف کرے۔ واللہ اعلم۔

اللہ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل اور صحابہ پر درود و سلام ہو۔

☆☆☆

(1) ملاحظہ ہو: لطائف المعارف از ابن رجب، صفحہ 149۔

سبق نمبر 3: روزہ کی فضیلت اور اس کے مشروع ہونے کی حکمت

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کے اہل بیت اور صحابہ کرام پر ہو، امابعد:

○ یقیناً روزہ عبادات میں سے سب سے افضل عبادت اور عظیم ترین طاعت ہے، اور اس کی فضیلت اور عظیم ثواب پر دلائل آئی ہیں۔ روزہ کی چند اہم فضائل درج ذیل ہیں:

1- یہ گناہوں کی معافی اور برائیوں کے کفارہ کا سبب بنتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص رمضان کے روزے ایمان اور احتساب کے ساتھ رکھے گا، اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔ متفق علیہ (۱)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتے ہوئے، روزے کی فرضیت کو تسلیم کرتے ہوئے اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے روزہ رکھے، اللہ اس کے تمام سابقہ گناہ معاف کر دے گا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی ایک اور حدیث ہے جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پانچ وقت کی نمازیں، جمعہ سے جمعہ اور رمضان سے رمضان تک، ان سب کے درمیان کے گناہ اس وقت تک معاف کر دیے جاتے ہیں جب تک کہ کبیرہ گناہوں سے بچا جائے"۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (۲)۔

2- روزہ کا ثواب کسی مخصوص تعداد سے محدود نہیں ہے، بلکہ روزہ دار کو اس کا اجر بے حساب دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عزوجل نے فرمایا: 'آدم کے تمام اعمال اس کے لیے ہیں سوائے روزے کے، کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں اس کا بدلہ دوں گا۔ اور روزہ ایک ڈھال ہے، پس جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے، تو وہ فحش باتوں سے بچے، اور نہ ہی شور شرابہ کرے۔ اگر کوئی اسے گالی دے یا لڑے، تو اسے کہنا چاہیے کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے، روزہ دار کے منہ کی بدبو قیامت کے دن اللہ کے نزدیک خوشبو سے زیادہ بہتر ہو گی۔ اور روزہ دار کو دو خوشیاں حاصل ہوں گی: ایک جب وہ افطار کرے گا تو خوش ہو گا، اور دوسری جب وہ اپنے رب سے ملے گا تو خوش ہو گا"۔ متفق علیہ (۳) اور مسلم (٤) کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "ابن آدم کے تمام اعمال کو دس گنا سے لے

---

(1) اسے **بخاری** نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 38) اور الفاظ بھی انہی کے ہیں، اور **مسلم** نے بھی روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 760)۔

(2) اسے **مسلم** نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 233)۔

(3) اسے **بخاری** نے (حدیث نمبر: 7492) اور **مسلم** نے (حدیث نمبر: 1151، روایت 163) روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ **مسلم** کے ہیں۔

کر سات سو گنا تک بڑھایا جاتا ہے سوائے روزے کے، کیونکہ وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، وہ اپنی خواہشات اور کھانے پینے کو میرے لیے چھوڑ دیتا ہے۔"

3-اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے روزہ کو خاص کر لیا ہے دیگر تمام اعمال سے جو بندے کرتے ہیں، اور یہ اس کی عزت و عظمت کی وجہ سے ہے اور اس کی محبت کے باعث، اور اس لئے کیونکہ اس میں اخلاص کا ظہور ہوتا ہے، اور یہ بندہ اور اس کے رب کے درمیان ایک راز ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کیونکہ روزہ دار جو فرض روزہ رکھتا ہے، وہ اس جگہ پر بھی جہاں لوگ موجود نہیں ہوتے، اللہ کے حکم سے وہ وہ چیزیں نہیں کھاتا جو اللہ نے اس پر حرام کی ہیں، وہ انہیں نہیں کھائے گا چاہے اسے دنیا کی کوئی بھی مال و دولت مل جائے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کا رب اس پر اس کی تنہائی میں نگاہ رکھے ہوئے ہے، اور وہ اس بات کو جانتا ہے کہ اللہ نے ان چیزوں کو اس پر حرام کیا ہے، اس لیے وہ اللہ کے خوف سے اور اس کے انعام کی امید میں ان چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ نے اس کے اخلاص کا شکر ادا کیا اور روزہ کو اپنے لیے خاص کیا۔ اور اسی لیے اللہ نے فرمایا: "وہ اپنی خواہشات اور کھانے کو میرے لیے چھوڑ دیتا ہے"۔

بعض سلف نے کہا: "خوشی اس کے لیے ہے جو موجود خواہش کو اس لیے چھوڑ دیتا ہے کہ اس کے سامنے اجر و ثواب کا ایسا وعدہ ہے، جسے اس نے نہیں دیکھا[۱]"۔

4-روزہ ایک ڈھال ہے: یعنی یہ ایک حفاظتی پناہ اور پردہ ہے جو روزہ دار کو لغو باتوں اور فحش گفتگو سے بچاتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر تم میں سے کسی کا روزہ ہو، تو وہ نہ فحش بات کرے اور نہ شور مچائے"۔ اور یہ روزہ دار کو قیامت کے دن آگ سے بچانے کا سبب بنتا ہے، اللہ کے حکم سے، جیسا کہ امام احمد نے حسن سند کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "یقیناً روزہ ایک ڈھال ہے جس کے ذریعے بندہ آگ سے بچتا ہے... "[۲]۔

5-روزہ دار کے منہ کی بو اللہ کے نزدیک مشک سے زیادہ خوشبودار ہے؛ کیونکہ روزہ کی حالت میں منہ کی بدبو ایک طبیعی تبدیلی ہے جو روزہ کی عبادت کی علامت ہے، اور اللہ کے نزدیک یہ خوشبو کی مانند ہے اور اللہ کو پسند ہے۔ یہ

---

[4] اسے **مسلم** نے (حدیث نمبر: 1151، روایت 164) روایت کیا ہے۔

[1] ملاحظہ ہو: لطائف المعارف، صفحہ 153۔

[2] اسے **احمد** نے روایت کیا (411/23، حدیث نمبر: 15264) علامہ البانی نے اسے درج ذیل کتب میں حسن (اچھی) حدیث قرار دیا: صحیح الجامع (794/2، حدیث: 4308) صحیح الترغیب والترھیب (578/1، حدیث: 981)۔

اس بات کی دلیل ہے کہ روزہ کی اہمیت اللہ کے ہاں بہت زیادہ ہے، یہاں تک کہ جو چیز انسانوں کے نزدیک ناپسندیدہ ہو، وہ اللہ کے ہاں پسندیدہ اور خوشبودار ہے کیونکہ یہ اللہ کی عبادت کے نتیجے میں ہے۔

6- روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں: ایک خوشی افطار کے وقت، اور دوسری خوشی جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے حدیث میں ذکر کیا گیا۔ افطار کے وقت وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اللہ نے اسے روزہ رکھنے کی توفیق دی، جو کہ بہترین عبادات میں سے ہے، اور کتنے لوگ ہیں جو اس سے محروم ہیں اور روزہ نہیں رکھتے۔ اور وہ اس بات پر خوش ہوتا ہے کہ اللہ نے اس کے لیے کھانے، پینے اور نکاح کی اجازت دی، جو روزہ کی حالت میں اس پر حرام تھے۔ اور جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا تو وہ اپنے روزہ رکھنے پر خوش ہوگا۔ جب وہ اللہ کے ہاں اپنی مکمل جزا پائے گا، جو قیامت کے دن اس وقت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوگی، جیسا کہ حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام 'ریان' ہے، جس سے روزہ دار قیامت کے دن داخل ہوں گے، اور ان کے ساتھ کوئی اور نہیں داخل ہوگا۔ کہا جائے گا: 'کہاں ہیں روزہ دار؟' تو وہ اس سے داخل ہوں گے، اور جب ان کا آخری شخص داخل ہو جائے گا تو دروازہ بند کر دیا جائے گا، اور اس کے بعد کوئی اور اس میں داخل نہیں ہو سکے گا"۔ متفق علیہ [۱]۔

7- روزہ خون کی نالیوں کو تنگ کرتا ہے جو انسان کے جسم میں شیطان کی نالیاں ہیں؛ کیونکہ شیطان انسان کے جسم میں خون کی طرح بہتا ہے، لہٰذا روزہ رکھنے سے شیطان کی وساوس ساکت ہو جاتی ہیں، اور شہوت وغصہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزے کو وجاء (جنسی خواہش کو روکنے کا سبب) قرار دیا، جیسے کہ صحیحین میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث آئی ہے۔ [۲]

8- وہ مالدار جو کھانے پینے کی چیزوں سے مستفید ہوتا ہے، اللہ کی نعمت کی قدر جانتا ہے، کیونکہ اس نے ان غذاوں اور مشروبات کو ترک کیا ہے جو غریبوں سے چھین لی گئی ہیں۔ جب وہ مخصوص وقت میں ان چیزوں سے بچتا ہے اور اس کے لیے مشقت ہوتی ہے، تو وہ اس کے ذریعے اس شخص کو یاد کرتا ہے جو ہمیشہ ان چیزوں سے محروم رہتا

---

[1] اسے **بخاری** نے روایت کیا (حدیث نمبر: 1896) اور **مسلم** نے (حدیث نمبر: 1152)؛ اور یہ الفاظ **مسلم** کے ہیں۔

[2] اسے **بخاری** نے روایت کیا (حدیث نمبر: 1905) اور **مسلم** نے بھی (حدیث نمبر: 1400)۔

ہے، اور اس کے دل میں اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے، اور وہ اپنے محتاج بھائی پر رحم کرنے اور اس کی مدد کرنے کی کوشش کرتا ہے۔(۱)

اے بھائیو! یہ کچھ روزے کے فضائل ہیں، لہٰذا روزہ دار کو اس کو واجبات، سنتوں، آداب کی بجاوری کرنی چاہیے، حدود کی حفاظت اور جو چیز اس کے ثواب کو کم کردے، اس سے بچنے کی بھرپور کوشش کرنی چاہیے، تاکہ اس کا روزہ اسے اس کی مشروعیت کی حکمت تک پہنچائے، اور وہ اللہ کی تقویٰ حاصل کر سکے، جیسے کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [سورۃ البقرۃ: 183] ترجمہ: (اے ایمان والو تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو)، واللہ اعلم۔

اللہ تعالی ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے اہل بیت اور صحابہ کرام پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل کرے۔

☆☆☆

(1) ملاحظہ ہو: لطائف المعارف از ابن رجب، صفحہ 155۔

سبق نمبر 4: مفطراتِ صائم

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کی آل اور تمام صحابہ کرام پر۔ اما بعد:

❍ صائم (روزہ دار) اپنے رب کے لیے رمضان کے دنوں میں تمام مفطرات سے بچنے کی عبادت کرتا ہے، اور جب وہ ان میں سے کسی کو بھی کرتا ہے تو اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ صائم کے مفطرات کی کئی اقسام ہیں:

پہلا: جان بوجھ کر کھانا یا پینا: جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ﴾ [سورۃ البقرۃ: 187]، ترجمہ: (تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے پھر رات تک روزے کو پورا کرو)، اس آیت سے یہ واضح ہے کہ روزہ دار کے لیے فجر کے طلوع ہونے کے بعد سے سورج غروب ہونے تک کھانا یا پینا جائز نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص بھول کر کھالے یا پی لے تو اس کا روزہ صحیح رہتا ہے، اور جب اسے یاد آجائے یا یاد دلایا جائے تو اس پر روزہ مکمل کرنا لازم ہے، کیونکہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بھول کر کھالے یا پی لے تو اپنا روزہ مکمل کرے، کیونکہ اللہ تعالی نے اسے کھلایا اور پلایا ہے"۔ (متفق علیہ)(۱)

اور روزہ ہر اُس چیز سے فاسد ہو جاتا ہے جو منہ اور ناک کے راستے سے جسم میں پہنچے، چاہے وہ غذائیت کا سبب ہو یا نہ ہو۔ اور جو کچھ جسم میں ان دونوں راستوں کے علاوہ سے داخل ہو، اگر وہ جسم کو غذائیت فراہم کرنے والا ہو تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، جیسے کہ غذائی انجکشنز؛ کیونکہ یہ کھانے اور پینے کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اور اگر وہ غذائیت فراہم کرنے والا نہ ہو، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، جیسے کہ انسولین کی انجکشنز، ویکسین کی انجکشنز، اور اس طرح کی دوسری طبّی انجکشنز؛ کیونکہ یہ کھانے اور پینے کے قائم مقام نہیں ہوتے ہیں۔ اگر ان کو رات تک مؤخر کیا جا سکے تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

(1) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 1933) اور مسلم نے بھی (حدیث نمبر: 1155)۔ الفاظ مسلم کے ہیں۔

آنکھ اور کان میں ڈالے جانے والے قطروں سے روزہ نہیں ٹوٹتا، اور اسی طرح آنکھ یا کان میں لگائی جانے والی مرہم سے بھی روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیونکہ آنکھ اور کان وہ عام راستے نہیں ہیں جہاں سے کھانا یا پینا داخل ہوتا ہے، اور قطرے یا مرہم سے جسم کو کوئی غذائیت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر ممکن ہو تو ان کا استعمال رات تک مؤخر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

اگر کوئی شخص اپنی ناک میں قطرہ ڈالے اور وہ حلق تک پہنچ کر اس کو نگل لے تو اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے؛ کیونکہ ناک ایسا راستہ ہے جس سے کھانا یا پینا جسم میں پہنچتا ہے۔

دانتوں کا معجون استعمال کرنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا، بشرطیکہ اس بات کا احتیاط کیا جائے کہ اس کا کچھ حصہ جسم میں نہ پہنچے۔ اور اگر اس کا کچھ حصہ بے اختیاری طور پر جسم میں پہنچ جائے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ تاہم، بہتر یہ ہے کہ اس کو استعمال رات تک مؤخر کیا جائے۔

دوسرا: حجامہ: جیسا کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے، جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «حاجم اور محجوم دونوں کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے»۔ ترمذی (۱)

خون کا عطیہ دینا (تبرع) بھی روزہ ٹوٹنے کا سبب بنتا ہے؛ کیونکہ یہ خون کی بڑی مقدار ہے، جو حجامہ کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو خون منتقل کیا جاتا ہے، اس کا بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

اگر بے اختیار زیادہ خون نکل جائے، جیسے کہ کسی کے ہاتھ میں چاقو لگ جائے، یا کوئی گلاس پر قدم رکھ کر زخمی ہو جائے، یا اس کی ناک سے خون آنا شروع ہو جائے، تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ترجمہ: (اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا) [سورۃ البقرۃ: 286]۔

لیبارٹری ٹیسٹ کے لیے خون کا نمونہ لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا؛ کیونکہ یہ خون کی کم مقدار ہے، اس لیے حجامہ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

---

(1) اسے ترمذی (حدیث نمبر: 774) اور احمد (حدیث نمبر: 15828) نے روایت کیا۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام احمد بن حنبل سے نقل کیا گیا کہ انہوں نے فرمایا: اس باب میں سب سے صحیح حدیث رافع بن خدیج کی ہے۔ علامہ البانی نے اسے إرواء الغليل (حدیث نمبر: 931) میں صحیح قرار دیا ہے۔

اور روزے دار کا رمضان کے دن میں ڈائیلیسس (گردوں کو صاف کرنے کا عمل) کروانا روزہ توڑ دیتا ہے، کیونکہ اس میں مریض کا خون نکالا جاتا ہے، پھر اسے صفائی کے ایک آلے پر گزارا جاتا ہے، اور بعد ازاں اسے زہریلے مواد وغیرہ سے صاف کر کے جسم میں واپس لوٹایا جاتا ہے، ساتھ ہی اس میں کچھ نمکیات (نمک) اور شکر (شوگر) بھی شامل کی جاتی ہیں؛ تو جسم سے زیادہ خون کا نکلنا روزہ توڑنے والا ہے، کیونکہ یہ حجامت کے حکم میں ہے، اور اسی طرح صاف خون کا جسم میں واپس لوٹانا، اور اس میں کچھ شکر شامل کرنا ایسی چیزیں ہیں جن سے جسم طاقت حاصل کرتا ہے۔

لہٰذا: جو گردے کا مریض اس طریقے سے صفائی (ڈائیلاسز) کرواتا ہے، اگر یہ رمضان کے دن میں ہو تو اس دن کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اور جن دنوں میں صفائی نہ ہو، اگر روزہ رکھنا اس کے لیے مشقت کا باعث نہ ہو اور ڈاکٹر یہ فیصلہ کرے کہ روزہ اس کے لیے نقصان دہ نہیں، تو اس پر روزہ رکھنا لازم ہے، اور رمضان کے بعد ان دنوں کی قضا دے جن میں روزہ چھوڑا تھا۔

تیسرا: جماع: جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ پس جو شخص جماع کرے، یعنی اگر وہ اپنا عضو تناسل عورت کے اندام نہانی [1] میں داخل کرے، چاہے پورے عضو تناسل کو داخل کرے یا صرف سرے (حشفہ) کو، اور وہ روزہ دار ہو، تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے چاہے وہ انزال نہ کرے۔ ایسے شخص پر توبہ اور استغفار لازم ہے، اور اس دن کا روزہ قضا کرنا ضروری ہے جس دن اس نے جماع کیا۔ اور اگر یہ جماع رمضان کے دنوں میں ہو تو اس پر کفارہ بھی لازم ہے۔

کفارہ یہ ہے کہ: وہ ایک غلام کو آزاد کرے، اگر ایسا نہ ہو تو دو مہینے متواتر روزے رکھے، اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو 60 مسکینوں کو کھانا دے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "جب ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے تو ایک شخص آیا اور کہا: 'یا رسول اللہ! میں ہلاک ہو گیا۔' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'کیا ہوا؟' اس نے کہا: 'میں نے اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا اور میں روزہ دار تھا۔' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'کیا تمہیں کسی غلام کو آزاد کرنے کی استطاعت ہے؟' اس نے کہا: 'نہیں۔' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'کیا تم دو مہینے متواتر روزے رکھنے کی استطاعت رکھتے ہو؟' اس نے کہا: 'نہیں۔' پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: 'کیا تم 60 مسکینوں کو کھانا کھلا سکتے ہو؟' اس نے کہا: 'نہیں۔' پس نبی کریم ﷺ (کچھ دیر) ٹھہرے، اور ہم اسی حالت میں تھے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ٹوکری لائی گئی جس میں کھجوریں تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: "کہاں ہے وہ سائل؟" تو اس نے کہا: "میں ہوں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ لے لو، اور اسے صدقہ کر دو۔" تو اس شخص نے عرض کیا: "یا رسول اللہ! کیا مجھ سے بھی زیادہ محتاج کسی کو دوں؟ اللہ کی قسم! ان دونوں حرّوں (مدینہ کے دو طرفہ آتش فشانی علاقوں) کے درمیان

---

(1) مسئلہ: چاہے انسان نے پورا عضو مخصوص داخل کیا ہو یا صرف "حشفہ" (یعنی عضو کا اگلا حصہ) ہی داخل کیا ہو، دونوں صورتوں میں حکم ایک جیسا ہے۔

میری فیملی سے زیادہ فقیر کوئی گھرانہ نہیں!" تو نبی کریم ﷺ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے، پھر فرمایا: "اسے اپنے گھر والوں کو کھلا دو۔""۔ متفق علیہ (١)، اور ابن ماجہ کی روایت میں ہے: «اور اس کے بدلے ایک دن کا روزہ رکھ لو (٢)»۔ اور اگر عورت اس فعل میں مرد کے موافق (یعنی رضامند) ہو، تو اس پر قضا کے ساتھ کفّارہ بھی لازم آئے گا، اور اگر وہ مجبور ہو (یعنی اس پر جبر کیا گیا ہو)، تو اس پر صرف قضا لازم ہے، کفّارہ نہیں۔

اگر کسی شخص نے کسی دوسرے فعل کی وجہ سے انزال کیا، جیسے بوسہ لینے، لمس کرنے، استمناء کرنے، یا کسی اور طریقے سے، تو اس کا روزہ بھی ٹوٹ جاتا ہے (٣)، کیونکہ یہ اعمال شہوت سے متعلق ہیں، جو روزے کے مخالف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "وہ اپنی شہوت، کھانے اور پینے کو میری رضا کے لیے چھوڑ دیتا ہے"۔ متفق علیہ (٤)، پس جس شخص نے یہ افعال کیے (یعنی روزے کے دوران شہوت انگیز افعال)، اُس نے اپنی شہوت کو ترک نہیں کیا، اور اس پر قضا واجب ہے بغیر کفارہ کے؛ کیونکہ کفّارہ صرف جماع کی صورت میں لازم آتا ہے، اس لیے کہ نصِّ شرعی خاص طور پر اسی کے بارے میں وارد ہوئی ہے۔

اور اگر روزے دار سویا ہوا اور احتلام ہو گیا، یا بلا شہوت منی خارج ہو گئی جیسے کہ کسی بیماری کی وجہ سے، تو اس کا روزہ باطل نہیں ہوتا؛ کیونکہ اس میں اس کا کوئی اختیار نہیں ہے۔

چوتھا: جان بوجھ کر قے کرنا: جان بوجھ کر قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یعنی اگر کسی نے جان بوجھ کر اپنے پیٹ سے کھانا یا پینا قے کے ذریعے نکال لیا تو اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر اسے قے کا غلبہ ہو جائے اور وہ بغیر ارادے کے قے کرے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر کسی کو قے کا غلبہ ہو گیا اور وہ قے کرے تو اس پر قضا نہیں ہے، اور جو شخص جان بوجھ کر قے کرے، اس کو قضا کرنی ہوگی"۔ ابو داود (٥)

---

(1) اسے بخاری (حدیث نمبر: 1936) اور مسلم (حدیث نمبر: 1111) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے ابن ماجہ (حدیث نمبر: 1671) نے روایت کیا ہے، علامہ البانی نے إرواء الغلیل (حدیث نمبر: 940) میں فرمایا: یہ حدیث مجموعِ طرق اور شواہد کی بنا پر صحیح ہے۔

(3) حوالہ: اختلاف الأئمة العلماء از ابن ہبیرہ (جلد 1، صفحہ 238)۔

(4) اسے بخاری (حدیث نمبر: 7492) اور مسلم (حدیث نمبر: 1151، روایت 164) نے روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

(5) اسے ابو داؤد (حدیث نمبر: 2380)، ترمذی (حدیث نمبر: 720)، اور ابن ماجہ (حدیث نمبر: 1676) نے روایت کیا ہے۔ الفاظ ترمذی کے ہیں، اور علامہ البانی نے صحیح ابن ماجہ میں (حدیث نمبر: 1676) اسے صحیح قرار دیا ہے۔

پانچواں: حیض اور نفاس کا خون آنا: اگر کسی عورت کو حیض یا نفاس کا خون آ جائے تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اسے روزہ قضا کرنا ضروری ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا عورت حیض آ جانے پر نماز اور روزہ نہیں ترک کرتی ہے؟" صحابہ کرام نے کہا: "جی ہاں"۔ بخاری شریف[۱]۔

چھٹا: افطار کی نیت کرنا: اگر کسی شخص نے افطار کی نیت کر لی ہو، یعنی اس نے دن کے دوران یہ ارادہ کر لیا ہو کہ وہ روزہ توڑ لے گا، تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا، چاہے اس نے کھانے یا پینے کا کچھ بھی نہ کیا ہو۔ کیونکہ نیت روزے کا ایک رکن ہے اور اگر کسی نے جان بوجھ کر اور ارادے سے افطار کی نیت کی تو اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے۔

ساتواں: ارتداد: اگر کسی شخص نے اسلام چھوڑ کر ارتداد اختیار کر لیا، تو اس کا روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ ﴾ ترجمہ: (اگر تم نے شرک کیا تو تمہارا عمل ضائع ہو جائے گا) ۔(سورۃ الزمر: 65)" کیونکہ ارتداد (اسلام سے پھر جانا) عبادت کے منافی (خلاف) ہے۔

یہ وہ مفطرات ہیں جن سے انسان کو روزے کے دنوں میں بچنا چاہیے،، تاکہ اس کے روزے میں کسی قسم کی کمی نہ آئے اور اس کا اجر محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے روزوں کی حفاظت کرنے کی توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کے اہل وعیال اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

☆☆☆

(1) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 304)۔

سبق نمبر 5: رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی جائز وجوہات

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، اور درود و سلام ہوں ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کی آل اور آپ کے صحابہ کرام پر۔ اما بعد:

○ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور ان کے لیے سہولت یہ بھی ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے ان لوگوں کے لیے جن کے پاس کوئی ایسا عذر ہو جو انہیں روزہ رکھنے سے روک رہا ہو یا جس کے ساتھ روزہ رکھنا مشکل ہو۔ یہ وجوہات درج ذیل ہیں:

پہلا: بیماری اور بڑھاپا: ایسی بیماری کا شکار شخص جس میں روزہ رکھنا مشکل ہو، اسے روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے، اور جب وہ صحت یاب ہو جائے تو اس پر ان دنوں کا قضاء کرنا واجب ہے جو اس نے افطار کیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ [سورة البقرة: ١٨٥] ترجمہ: (جو شخص اس مہینے کو پائے تو روزہ رکھے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے)۔

اور ایسا مریض جس کے ٹھیک ہونے کی امید نہ ہو، یا وہ بزرگ جو مسلسل روزہ رکھنے کے قابل نہ ہو، یا جو روزہ رکھ سکتا ہے مگر بہت زیادہ مشقت کے ساتھ، تو ایسے لوگ افطار کریں گے، اور ان پر قضاء واجب نہیں ہو گی، بلکہ ان پر فدیہ لازم ہو گا، یعنی وہ ہر روز کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائیں گے۔

امام بخاری نے فرمایا: «ایسا بزرگ شخص جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا ہو، تو حضرت انس سے ایسی حالت میں کھانا کھلانا ثابت ہے، کہ جب وہ بوڑھے ہو گئے، تو انہوں نے ایک یا دو سال تک ہر روز ایک مسکین کو روٹی اور گوشت کھلایا، اور افطار کیا» [١]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: «بزرگ شخص اور بزرگ عورت جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتے، وہ ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں»۔ بخاري [٢]

---

(1) امام بخاری نے یہ روایت اپنی صحیح میں کتاب التفسیر میں ذکر کی ہے، فرمان باری تعالیٰ: ﴿أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ﴾ [سورة البقرة: ١٨٥] کے ضمن میں۔ اس روایت کو عبد بن حمید نے بھی ذکر کیا ہے، جیسا کہ ابن حجر نے "تغليق التعليق" میں (١٧٧/٤) میں ذکر کیا ہے۔

عاجز شخص جو روزہ رکھنے کی استطاعت نہیں رکھتا، چاہے وہ بیماری کی وجہ سے ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے، اسے ہر دن کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دینا ضروری ہے۔ کھانا دینے کے لیے آدھا صاع گندم، کھجور، چاول یا اس جیسے دیگر کھانے کی چیزوں میں سے کوئی بھی ہو سکتا ہے، جو اس ملک میں معمولاً استعمال ہوتے ہوں۔ موجودہ معیار کے مطابق یہ مقدار تقریباً ڈیڑھ کلو کے قریب ہوتی ہے۔[۱]

اگر مریض روزہ رکھنے کی کوشش کرے تو اس کا روزہ درست اور کافی ہوگا، لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ رخصت کو اختیار کرے اور روزہ نہ رکھے، کیونکہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک اللہ کو یہ پسند ہے کہ اس کی رخصتوں کو اختیار کیا جائے، جیسے وہ اس کی معصیتوں کو پسند نہیں کرتا"۔[۲] اگر مریض کو یہ علم ہو یا اسے یہ گمان ہو کہ روزہ رکھنے سے اس کو نقصان یا ہلاکت پہنچے گی، تو اس پر روزہ رکھنا حرام ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾، ترجمہ: (اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے)۔ [سورۃ النساء: ۲۹] اور اس طرح کی حدیث بھی آئی ہے: "نہ خود پر نقصان پہنچاؤ اور نہ دوسروں کو" ابن ماجہ[۳]۔

دوسرا: سفر؛ مسافر کو رمضان میں افطار کرنے کی اجازت ہے، اور اس پر قضا ضروری ہے؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ ترجمہ: (لیکن تم میں سے جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ اور دنوں میں گنتی پوری کر لے) [سورۃ البقرۃ: ۱۸۴]۔ اور فرمایا: ﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ ترجمہ: (جو شخص اس مہینے کو پائے تو روزہ رکھے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں یہ گنتی پوری کرنی چاہیے) [سورۃ البقرۃ: ۱۸۵]۔ نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں روزے کے بارے میں پوچھے جانے پر فرمایا تھا: «اگر چاہو تو روزہ رکھو، اور اگر چاہو تو افطار کرو» متفق

---

[2] اسے بخاریؒ نے اپنی صحیح میں (حدیث نمبر: 4505) اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا۔

[1] صاع کا یہ وزن "اللجنة الدائمة للإفتاء" کی طرف سے متعین کیا ہوا ہے، جو احتیاط کے زیادہ قریب ہے، اگرچہ بعض نے اس سے کم وزن بھی بیان کیا ہے۔

[2] اسے امام احمد (حدیث نمبر: 5866)، ابن حبان (2742)، اور بیہقی (5483) نے روایت کیا، اور علامہ البانیؒ نے اسے "الإرواء" (حدیث نمبر: 564) میں صحیح قرار دیا ہے۔

[3] اسے ابن ماجہ (2341) اور احمد (حدیث نمبر: 2865) نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا۔ امام نوویؒ نے فرمایا: اس حدیث کے کئی طرق ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔ ابن رجبؒ نے فرمایا: جیسا کہ نوویؒ نے کہا، وہی درست ہے۔ حوالہ: "الأربعين النووية مع شرح جامع العلوم والحكم" (جلد 2، ص 207، 210)۔

علیہ [١]۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں روزہ رکھتے ہوئے مکہ تشریف لے گئے، جب کدید [٢] پہنچے تو افطار کر لیا، اور لوگوں نے بھی افطار کیا۔ متفق علیہ [٣]۔

سفر میں افطار کی اجازت اس سفر کے لیے ہے جس میں نماز قصر کی اجازت ہو، یعنی وہ سفر جو تقریباً اڑتالیس میل (یعنی تقریباً اسی کلومیٹر) ہو۔ اور جو شخص افطار کے لیے سفر کرے تو اس کے لیے افطار کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس میں فرض ترک کرنے کے لیے حیلہ کی صورت ہوسکتی ہے۔

اور اگر مسافر نے روزہ رکھا تو اس کا روزہ درست اور کافی ہوگا، جیسے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: (ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کرتے تھے، اور نہ روزہ رکھنے والے پر روزہ دار کی کوئی تنقید ہوتی تھی، اور نہ روزہ دار پر روزہ نہ رکھنے والے کی کوئی تنقید ہوتی تھی) متفق علیہ [٤]۔ تاہم، جو شخص سفر میں روزہ رکھنے میں مشکل محسوس کرے، اس کے لیے افطار کرنا بہتر ہے، کیونکہ اس میں رخصت کی پیروی کی جاتی ہے؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں ایک شخص کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا جو شدید گرمی کی وجہ سے سایہ میں آگیا تھا، اور لوگ اس کے گرد جمع ہوگئے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «سفر میں روزہ رکھنا بھلائی کا کام نہیں ہے» متفق علیہ [٥]۔

جو شخص اپنے شہر میں سورج غروب ہونے کے بعد افطار کرے، پھر جہاز اُڑ کر ایسے مقام پر پہنچے جہاں سورج ابھی غروب نہیں ہوا، تو وہ اپنا افطار جاری رکھے گا؛ کیونکہ اس کا حکم اُس شہر کا حکم ہے جہاں سے جہاز اُڑ کر گیا ہے، اور دن وہاں ختم ہوچکا ہے۔ اصل یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے روزے میں امساک، افطار اور نمازوں کے اوقات کا حکم اُس زمین یا ماحول کے مطابق ہوتا ہے جس میں وہ موجود ہو یا جہاں سفر کر رہا ہو۔ اگر جہاز سورج غروب ہونے سے چند منٹ پہلے اُڑتا ہے اور دن اس کے ساتھ جاری رہتا ہے، تو اس کے لیے افطار کرنا اور مغرب کی نماز پڑھنا جائز نہیں ہے جب تک کہ وہ جہاز میں اپنے ماحول میں سورج غروب نہ دیکھے، چاہے وہ کسی ایسے ملک کی فضا سے گزرے جہاں لوگ افطار کر چکے ہوں اور مغرب کی نماز پڑھ چکے ہوں، وہ افطار نہیں کرے گا اور نہ ہی مغرب کی نماز پڑھے گا جب تک کہ وہ اپنے ماحول میں سورج غروب نہ دیکھے۔

---

[1] اسے بخاری (حدیث نمبر: 1943) اور مسلم (حدیث نمبر: 1121) نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔
[2] "الکدید" ایک جگہ ہے جو مدینہ اور مکہ کے درمیان واقع ہے، مکہ سے تقریباً 90 کلومیٹر کے فاصلے پر۔
[3] اسے بخاری (1944) اور مسلم (1113) نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔
[4] اسے بخاری (1947) اور مسلم (1118) نے روایت کیا ہے۔
[5] اسے بخاری (1946) اور مسلم (1115) نے حضرت جابر بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

تیسرا: حیض اور نفاس: جو عورت حیض یا نفاس کی حالت میں ہو، وہ رمضان میں روزہ فرضاً افطار کرے گی، اور اس پر روزہ رکھنا حرام ہے۔ اگر وہ روزہ رکھے تو اس کا روزہ صحیح نہیں ہوگا؛ کیونکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «کیا جب عورت حیض آ جانے پر نماز نہیں پڑھتی اور روزہ نہیں رکھتی؟» ہم نے کہا: «ہاں۔» بخاری[1]۔

اور حیض اور نفاس والی عورت پر روزوں کا قضا کرنا واجب ہے؛ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: «ہمیں یہ حالت پیش آتی تھی تو ہمیں روزے قضا کرنے کا حکم دیا جاتا، اور نمازوں کا قضا کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا»۔ متفق علیہ[2]

عورت کو رمضان میں حیض روکنے کے لئے دوائیوں کا استعمال کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اہلِ علم اور ماہر طبیب اس بات کی تصدیق کریں کہ اس سے اسے کوئی نقصان نہیں ہوگا، اگرچہ بہتر ہے کہ اس سے بچا جائے۔ اللہ نے اسے رمضان میں حیض کی حالت میں افطار کرنے کی رخصت دی ہے، اور وہ ان دنوں کا قضا کرے گی۔

چوتھا: حمل اور دودھ پینے کا عمل: اگر عورت حاملہ یا دودھ پلانے والی ہو اور اس کو روزہ رکھنے کی وجہ سے اپنی یا اپنے بچے کی صحت کا خطرہ محسوس ہو، تو اس کے لیے افطار کرنا جائز ہے، جیسا کہ انس بن مالک کعبی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «یقیناً اللہ تعالی نے مسافر سے نصف نماز اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورت سے روزہ کی فرضیت اٹھالی ہے[3]» (ابوداود[4])۔ اور حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں پر فرض ہے کہ وہ ان دنوں کا قضا کریں جن میں انہوں نے افطار کیا، بشرطیکہ وہ اپنے یا اپنے بچے کے لیے کسی نقصان کا خوف رکھتی ہوں۔ اگر صرف بچے کا خوف ہو تو وہ ہر روز کے بدلے ایک مسکین کو کھانا دیں اور روزوں کا قضا کریں[5]؛ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: «اگر دودھ پلانے والی یا حاملہ عورت کو اپنے یا اپنے بچے کا خوف ہو تو وہ افطار کریں

---

[1] اسے بخاری نے (حدیث نمبر: 304) روایت کیا ہے۔

[2] اسے بخاری (321) اور مسلم (335) نے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

[3] یعنی: شریعت نے ان (مسافر، حاملہ، دودھ پلانے والی عورت) پر سفر، حمل یا رضاعت کے دوران روزہ کی فرضی تکو ساقط کر دیا، لیکن ان پر بعد میں قضا واجب ہے جب عذر ختم ہو جائے۔

[4] اسے ابوداؤد (2408)، ترمذی (715)، نسائی (2275)، اور ابن ماجہ (1667) نے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں۔ ترمذیؒ نے فرمایا: یہ حدیث حسن ہے۔ علامہ البانیؒ نے فرمایا: اس کی سند حسن صحیح ہے، جیسا کہ "صحيح أبي داود" (2083) میں ہے۔

[5] حوالہ: فتاویٰ اللجنة الدائمة - المجموعة الثانية (جلد 6، ص 359)۔

اور ہر دن کے بدلے کھانا دیں»[1]۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: «یہ بات تین صحابہ سے ثابت ہے کہ فدیہ لازم ہے اور ان کے کوئی مخالف نہیں جانے جاتے»[2]۔

اور جو شخص کسی عذر کی بنا پر افطار کرے، پھر اگر اس کا عذر دن کے دوران ختم ہو جائے تو اس پر دن کے باقی حصہ کا روزہ رکھنا ضروری ہے، اور اس کے بعد قضا بھی کرنا ہوگی، جیسے کہ مسافر جب اپنے وطن واپس آ جائے، یا حیض اور نفاس والی عورت جب پاک ہو جائے، یا مریض جب صحت یاب ہو جائے۔ ان سب کو باقی دن کا روزہ رکھنا لازم ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: ﴿فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾، ترجمہ: (جو شخص اس مہینے کو پائے وہ روزہ رکھے)، [سورۃ البقرۃ: ۱۸۵] میں شامل ہیں اور اس لیے بھی کہ روزہ کے وقت کا احترام کرنا چاہیے۔

یہ وہ عذر ہیں جو رمضان کے مہینے میں روزہ چھوڑنے کی اجازت دیتے ہیں، اور یہ اللہ کی طرف سے اس کے بندوں پر رحمت اور ان کے عبادات میں آسانی ہے، اور اس طرح ان کی حالتوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں دی، اور اللہ نے اس امت سے وہ بوجھ اور پابندیاں اُٹھالی ہیں جو اس سے پہلے کی امتوں پر تھیں۔ پس اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں اس عظیم دین کی ہدایت دی، اور ہم ہدایت نہیں پا سکتے تھے اگر اللہ نے ہمیں ہدایت نہ دی ہوتی۔ ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں اپنی یاد، شکر اور بہترین عبادت میں مدد دے، اور ہمیں اپنی رضا کی طرف رہنمائی فرمائے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور صحابہ کرام پر اللہ کی رحمت، برکتیں اور سلامتی ہوں۔

☆☆☆

---

(1) اسے ابوداؤد (2317، 2318) اور بیہقی (جلد 4، ص 230) نے روایت کیا ہے۔ علامہ البانیؒ نے "اِلإرواء" (حدیث نمبر: 912) میں اسے صحیح کہا ہے۔ اسی طرح کی روایت حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔

(2) حوالہ: شرح العمدۃ (کتاب الصیام) از ابن قدامہ (جلد 1، ص 249)۔

سبق نمبر 6: روزہ کے لئے مستحب اور مکروہ اعمال

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور درود وسلام ہو ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، اور ان کی آل اور صحابہ کرام پر، اما بعد:

○ روزے دار کو اپنے روزہ کے وقت میں کئی امور کا خیال رکھنا مستحب ہے، جن سے اللہ تعالی کے ہاں اس کا اجر بہت بڑھ جاتا ہے، جن میں سے:

1- سحری: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "سحری کھاؤ کیونکہ سحری میں برکت ہے"۔ متفق علیہ (۱) سحری کا عمل کم یا زیادہ کچھ بھی کھانے سے درست ہو سکتا ہے، چاہے ایک گھونٹ پانی ہی کیوں نہ ہو۔ سحری کو آخری وقت تک مؤخر کرنا مستحب ہے، یعنی جب سحر کا وقت آ جائے، جیسا کہ انس بن مالک نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ: "ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کی، پھر نماز کے لیے اٹھے، میں نے پوچھا: یہ دونوں کے درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ تو انہوں نے کہا: پچاس آیات"۔ متفق علیہ (۲)

2- جلدی افطار کرنا: روزہ دار کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ سورج غروب ہوتے ہی جلدی افطار کرے، جیسے کہ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لوگوں کی خیر اور بھلائی اس بات میں ہے کہ وہ افطاری جلدی کریں»۔ متفق علیہ (۳)

3- تر کھجوروں سے افطار کرنا: اگر تر کھجوریں نہ ملیں تو سوکھی کھجوروں سے افطار کرنا مستحب ہے، اور اگر وہ بھی نہ ہوں تو پانی سے چند گھونٹ پی کر افطار کرنا؛ جیسے کہ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم افطار کھجوروں سے کرتے تھے، اگر کھجوریں نہ ہوتیں تو سوکھی کھجوروں سے افطار کرتے، اور اگر وہ بھی نہ ہوتیں تو پانی کے گھونٹ پیتے تھے"۔ ابوداود (٤)، اگر کچھ نہ ملے تو دل میں افطار کی نیت کرنا کافی ہے۔

---

(1) بخاری: 1923، مسلم: 1095۔

(2) بخاری 575، مسلم 1097، اور مسلم کا لفظ ہے۔

(3) بخاری 1957، مسلم 1098۔

(4) ابوداود (2356)، ترمذی (696) اور ترمذی نے اس کی حسن کہا ہے، اور البانی نے سنن ترمذی میں (560) میں اس کی تصحیح کی ہے۔

4-افطار کے وقت اور روزہ کے دوران دعا کرنا: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «تین دعائیں ایسی ہیں جو رد نہیں کی جاتیں: روزہ دار کی دعا جب تک وہ افطار نہ کرے، امام عادل کی دعا، اور مظلوم کی دعا»۔ ترمذی[١]

5-جب کوئی گالی دے تو "میں روزہ دار ہوں" کہنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اور جب تم میں سے کوئی روزہ رکھے تو اسے نہ فحش باتیں کرنی چاہییں، نہ شور مچانا، اور اگر کوئی شخص اسے گالی دے یا لڑے تو وہ کہے: میں روزہ دار ہوں»۔ متفق علیہ[٢]

5-روزہ داروں کو افطار کرانا مستحب ہے: زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «جو شخص کسی روزہ دار کو افطار کرائے، اسے بھی اسی طرح کا اجر ملے گا، اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوگی»۔ ترمذی[٣]۔

6-رمضان میں عمرہ کرنا مستحب ہے: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاریہ خاتون سے جو حج میں آپ کے ساتھ نہیں جا سکیں تھیں فرمایا: «جب رمضان آئے تو عمرہ کر لینا، کیونکہ رمضان میں کیا جانے والا عمرہ حج کے برابر ہے»۔ متفق علیہ[٤]

△روزہ دار کے حق میں بعض امور مکروہ ہیں جو اس کے روزے کو مجروح کرنے اور اس کے اجر کو کم کرنے کا سبب بن سکتے ہیں، اور وہ یہ ہیں:

1-مبالغہ سے مضمضہ اور استنشاق کرنا: اس بات کا خطرہ ہوتا ہے کہ پانی معدے میں چلا جائے۔ لقیط بن صبرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کے بارے میں ان سے فرمایا: «مضمضہ اور استنشاق میں مبالغہ کرو، مگر جب تم روزہ دار ہو»۔ (ابوداود)[٥]۔

([1])اس کی تخریج ترمذی(3598)، ابن ماجہ(1752) نے ابوہریرہ سے روایت کی، ترمذی نے اسے حسن قرار دیا، اور ابن الملقن نے بدر المنیر(5/152) میں اس کی تصحیح اور ابن حجر نے اسے حسن کہا ہے جیسا کہ ان سے ابن علان نے فتوحات ربانیہ(4/338) میں نقل کیا ہے۔ اس کا ایک اور شاہد انس کی حدیث سے ہے، جو بیہقی(345/3) اور دیگر نے اس لفظ کے ساتھ روایت کیا: «تین دعائیں رد نہیں کی جاتیں: والد کی دعا، روزہ دار کی دعا، اور مسافر کی دعا»۔ اس کو البانی نے صحیح الجامع(3034) میں حسن کہا اور اسے سلسلہ صحیحہ(1797) میں نقل کیا ہے۔

(2)بخاری 1904، مسلم 1151، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

([3])ترمذی(807)، اور ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا، اور البانی نے صحیح الترمذی میں اس کی تصحیح کی۔

([4])(بخاری 1782، مسلم 1256)۔

([5])ابوداود(142)، ترمذی(788)، نسائی(87)، ابن ماجہ(407)، اور البانی نے ارواء الغلیل(935) میں اسے صحیح قرار دیا۔

اوران مکروہات میں سے ایک "غرغرہ[۱] کے ذریعے علاج" ہے، کیونکہ اس کا حکم مبالغہ کے ساتھ کلی کرنے کی مانند ہے۔ پس اگر روزے دار کو دن کے وقت اس کی ضرورت پیش آجائے تو وہ یہ کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ اس بات کا خاص خیال رکھے کہ کوئی چیز اس کے حلق سے پیٹ میں داخل نہ ہو۔ پس اگر کوئی چیز اس کے اختیار کے بغیر اندر چلی گئی تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا، اور اگر غرغرہ کو رات تک مؤخر کرنا ممکن ہو تو یہ زیادہ بہتر ہے۔

2- مباشرت (چومنا) وہ شخص جو اپنی شہوت کو قابو میں نہ رکھے: روزہ دار کے لیے بیوی کو چومنا مکروہ ہے اگر اس سے شہوت کی تحریک ہو اور روزہ کے خراب ہونے کا خدشہ ہو۔ اگر کوئی شخص اپنی شہوت پر قابو پا سکتا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ کیوں کہ: «رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھتے ہوئے اپنی بیوی کو چومتے تھے» حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: "اور وہ (نبی ﷺ) تم سب سے زیادہ اپنی خواہش پر قابو رکھنے والے تھے"۔ یہ حدیث متفق علیہ[۲] ہے۔

اور جو شخص کسی حرام میں پڑنے کا خدشہ رکھتا ہو، اس کے لیے لازم ہے کہ ہر اُس چیز سے بچنے کی کوشش کرے جو اس کی شہوت کو ابھارنے اور اسے حرکت میں لانے کا سبب بنے: جیسے بیوی کو مسلسل دیکھتے رہنا یا حسن و جمال کے بارے میں سوچتے رہنا، کیونکہ یہ چیزیں انزال یا جماع کا سبب بن سکتی ہیں۔

2- کھانے کا ذائقہ لینا بغیر ضرورت کے: اگر روزہ دار کو ضرورت ہو، جیسے کھانا پکانے والے کو نمک وغیرہ چکھنے کی ضرورت ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ وہ اس چیز کو حلق میں نہ جانے دے۔

روزہ دار اور ان کے علاوہ پر بھی بلغم کا نگلنا جب وہ منہ میں پہنچ جائے حرام ہے، کیونکہ وہ گندہ اور نقصان دہ ہوتا ہے۔

رہی بات روزہ دار کے لیے مسواک کا استعمال کرنا تو یہ مکروہ نہیں بلکہ مستحب ہے، چاہے وہ دن کے کسی بھی وقت ہو زوال سے قبل یا اس کے بعد اس کے مستحب ہونے کی عام دلیل کی وجہ سے۔

اللہ کی رضا کے لیے وہ تمام امور انجام دیں جو روزہ میں مستحب ہیں اور ان چیزوں سے بچیں جو مکروہ ہیں تاکہ آپ اللہ کے نزدیک اپنے اجر کو بڑھا سکیں اور اس کی محبت حاصل کر سکیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «میرے

---

[1] مراد اس سے یہ ہے کہ دوا کو حلق کی گہرائی میں رکھا جائے اور سانس خارج کرتے ہوئے اسے حرکت دی جائے۔

[2] اسے بخاری (1927) اور مسلم (1106) نے روایت کیا ہے۔

بندے نفل عبادات کے ذریعے مجھ سے قربت حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اسے محبت کرنے لگتا ہوں»۔ (بخاری)[1]۔اللہ ہمیں اپنی محبت کا مستحق بنائے، واللہ اعلم۔

اور اللہ کی بے شمار رحمتیں اور سلام ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، آپ کے اہل بیت اور صحابہ کرام پر ہوں۔ آمین۔

☆☆☆

---

[1] اسے بخاری (6502) نے روایت کیا ہے۔

سبق نمبر 7: نماز دین کا ستون ہے

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

بے شک فرض نماز سب سے بڑی واجبات میں سے ہے اور ارکانِ اسلام میں سب سے مؤکد رکن ہے۔ یہ ہر مسلمان، بالغ اور عاقل پر فرض ہے، سوائے حیض اور نفاس والی عورت کے۔ نماز کی فرضیت پر کتاب، سنت اور امت کے اجماع سے دلیل موجود ہے۔ رہی کتاب اللہ کی دلیل، تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ وَذَٰلِكَ دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ [سورۃ البیّنۃ: 5] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ [سورۃ المزمل: 20]۔

اور سنت سے دلائل: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور بے شک محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ دینا، حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا"۔ متفق علیہ(۱) اسی طرح عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا اور فرمایا: "انہیں اس بات کی دعوت دو کہ وہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، پس اگر وہ اس کو مان لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔۔۔ " متفق علیہ(۲) اور اس کے علاوہ بھی بے شمار آیات اور احادیث نماز کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں۔

اور جہاں تک اجماع (یعنی اتفاقِ امت) کا تعلق ہے، تو امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ دن اور رات میں پانچ نمازیں فرض ہیں(۳)۔

اور یہ (نمازیں) حائضہ اور نفاس والی عورت پر فرض نہیں ہوتیں، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو امام بخاری نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی، وہ فرماتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کیا ایسا نہیں کہ

---

(1) اسے **امام بخاری** (حدیث نمبر 8) اور **امام مسلم** (حدیث نمبر 16) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے **بخاری** (حدیث نمبر 1395) اور **مسلم** (حدیث نمبر 19) نے روایت کیا ہے۔

(3) اسے **بخاری** (حدیث نمبر 304) نے روایت کیا ہے۔

جب عورت کو حیض آتا ہے تو نہ وہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے[١]؟" اور اہلِ علم کا اس پر اجماع ہے کہ حیض والی عورت پر ان ایّام میں نماز فرض نہیں ہے، اور نہ ہی اس پر بعد میں اس نماز کی قضا لازم ہے[٢]۔

نماز اسلام کے ستونوں میں سے دوسرا ستون ہے، اور شہادتین کے بعد دین کا سب سے عظیم رکن ہے۔ نماز دین کا ستون (یعنی بنیاد) ہے، جیسا کہ امام ترمذی اور دیگر محدثین نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے ان سے فرمایا": **کیا میں تمہیں پورے معاملے (یعنی دین) کے سر، اس کے ستون اور اس کی چوٹی نہ بتاؤں؟**" میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، یا رسول اللہ! تو آپ ﷺ نے فرمایا": **معاملے کا سر (یعنی بنیاد) اسلام ہے، اس کا ستون نماز ہے، اور اس کی چوٹی جہاد فی سبیل اللہ ہے**[٣]۔"

نماز کی اہمیت پر دلالت کرنے والی باتوں میں سے:

1- **اللہ تعالیٰ نے نمازیوں کی تعریف فرمائی ہے**، اور ان کی بھی تعریف کی ہے جو اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْإِنسَانَ خُلِقَ هَلُوعًا ۞ إِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ جَزُوعًا ۞ وَإِذَا مَسَّهُ الْخَيْرُ مَنُوعًا ۞ إِلَّا الْمُصَلِّينَ ۞ الَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ دَائِمُونَ﴾ ترجمہ: "**بیشک انسان بڑے کچے دل والا بنایا گیا ہے، جب اسے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بہت بے صبری دکھاتا ہے، اور جب اسے خیر (نعمت) حاصل ہوتی ہے تو بخیل بن جاتا ہے، سوائے ان لوگوں کے جو نماز پڑھتے ہیں، جو اپنی نماز پر ہمیشہ قائم رہتے ہیں۔**" [سورۃ المعارج: 19-23] اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ ۚ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا ۞ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا﴾ ترجمہ: **اس کتاب میں اسماعیل (علیہ السلام) کا واقعہ بھی بیان کر، وہ بڑا ہی وعدے کا سچا تھا اور تھا بھی رسول اور نبی۔ وہ اپنے گھر والوں کو برابر نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتا تھا، اور تھا بھی اپنے پروردگار کی بارگاہ میں پسندیدہ اور مقبول۔** [سورۃ مریم: 54-55]۔

2- اللہ تعالیٰ نے نماز کو ضائع کرنے والوں اور اس میں سستی کرنے والوں کی مذمت فرمائی ہے اور انہیں عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَخَلَفَ مِن بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا﴾ ترجمہ: (پھر ان کے بعد ایسے اطاعت نہ کرنے والے پیدا ہوئے کہ انہوں نے نماز

---

(1) ملاحظہ کریں: **المغنی** از ابن قدامہ (جلد 6، صفحہ 2)۔

(2) ملاحظہ کریں: **الإجماع** از ابن المنذر، صفحہ 42۔

(3) اسے **ترمذی** (حدیث 2616)، **ابن ماجہ** (حدیث 3973)، اور **احمد** (جلد 36، صفحہ 344، حدیث 22016) نے روایت کیا ہے، اور **البانی** نے اسے **إرواء الغليل** (جلد 2، صفحہ 138، حدیث 413) میں صحیح قرار دیا ہے۔

ضائع کر دی اور نفسانی خواہشوں کے پیچھے پڑ گئے، سو ان کا نقصان ان کے آگے آئے گا)[مریم: ٥٩]اور فرمایا:﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَى يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ترجمہ: (بیشک منافق اللہ سے چال بازیاں کر رہے ہیں اور وہ انہیں اس چالبازی کا بدلہ دینے والا ہے اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یادِ الٰہی تو یونہی برائے نام کرتے ہیں)[النساء: ١٤٢]۔

3- قیامت کے دن بندے کے اعمال میں سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے، اگر نماز درست ہوئی تو اس کے باقی اعمال بھی درست ہوں گے، اور اگر نماز خراب ہوئی تو اس کے باقی اعمال بھی خراب ہوں گے۔ چنانچہ ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: **"بندے کے اعمال میں سب سے پہلے جس چیز کا حساب قیامت کے دن لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے، اگر وہ درست نکلی تو وہ کامیاب اور نجات پانے والا ہوگا، اور اگر وہ خراب ہوئی تو وہ ناکام اور خسارہ پانے والا ہوگا۔ اگر فرض نمازوں میں کچھ کمی ہوئی تو اللہ تعالی فرمائے گا: دیکھو کیا میرے بندے کے پاس کچھ نفل نمازیں ہیں؟ تو ان نفلوں سے اس کی کو پورا کر دیا جائے گا، پھر باقی اعمال کا بھی اسی بنیاد پر حساب لیا جائے گا۔"**[١]

4- نماز کی اہمیت پر اس بات سے بھی دلیل ملتی ہے کہ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی امت کو دی جانے والی آخری وصیت تھی۔ چنانچہ **سنن أبي داود** میں حضرت علی بن أبي طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: **رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری کلام یہ تھا: "نماز! نماز! اور اپنے غلاموں کے بارے میں اللہ سے ڈرو[٢]"!**

5- نماز کی اسلام میں عظمت واہمیت پر دلالت کرنے والی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ: **اللہ عزوجل نے اس امت پر نماز کو آسمانوں کے اوپر ساتویں آسمان سے فرض فرمایا**، جب نبی کریم ﷺ کو معراج کی رات بلایا گیا۔ اس موقع پر اللہ تعالی نے **براہِ راست** نبی ﷺ پر نماز فرض کی، **جبریل علیہ السلام کی وساطت کے بغیر**۔ یہ فرضیت زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر ہوئی، اور ابتدا میں **پچاس نمازیں** فرض کی گئیں، پھر نبی کریم ﷺ نے اپنے رب سے تخفیف کی دعا

---

[1]اسے **ترمذی** حدیث (413)، **نسائی** حدیث (465) نے روایت کیا ہے، اور **البانی** نے اسے **سلسلة الأحاديث الصحيحة** (جلد 3، صفحہ 343، حدیث 1358) میں صحیح کہا ہے۔

[2]اسے **ابوداود** حدیث: 5156، **ابن ماجہ** حدیث (2698) نے روایت کیا ہے، اور **البانی** نے **صحيح الأدب المفرد** (صفحہ 81، حدیث 158/118) میں صحیح قرار دیا ہے۔

کی، تو اللہ تعالیٰ نے آسانی فرما کر نمازوں کو **پانچ** کر دیا، اور فرمایا کہ **ہر نماز کا اجر دس گنا ہے**، اس لیے اجر کے اعتبار سے **یہ اب بھی پچاس کے برابر ہی ہیں**۔ یہ حدیث **متفق علیہ** [۱] ہے۔

اے روزے دارو! بے شک شریعت نے **نماز کی فرضیت** کو مؤکد انداز میں بیان فرمایا ہے، اس کی تاکید کی ہے، اس پر **ابھارا** ہے اور اس کی **رغبت** دلائی ہے۔ نماز سے متعلق واجب امور میں سے یہ بھی ہے کہ: **مردوں پر لازم ہے کہ وہ اذان سن کر مسجد میں نماز ادا کریں**۔ چنانچہ **ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ** سے روایت ہے، فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک نابینا شخص آیا اور کہا": یارسول اللہ! میرے پاس کوئی رہبر نہیں جو مجھے مسجد تک لے جائے، اور اس نے آپ ﷺ سے اجازت مانگی کہ وہ اپنے گھر میں نماز پڑھ لیا کرے۔ نبی کریم ﷺ نے اُسے اجازت دے دی، لیکن جب وہ جانے لگا تو آپ ﷺ نے اُسے بلایا اور فرمایا": **کیا تم اذان کی آواز سنتے ہو؟**"اس نے کہا: "جی ہاں"، تو نبی ﷺ نے فرمایا": **تو پھر (نماز کے لیے) حاضر ہو**)"! مسلم [۲] اور **عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ** سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا: "جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ سے **مسلمان** ہو کر ملاقات کرے، تو اُسے چاہیے کہ ان نمازوں (پانچوں فرض نمازوں) کی **پابندی** کرے، جہاں ان کے لیے اذان دی جاتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کے لیے **ہدایت کی سنتیں** مقرر فرمائی ہیں، اور یہ نمازیں ان ہی سنتوں میں سے ہیں۔ اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو جس طرح وہ شخص گھر میں پڑھ لیتا ہے جو پیچھے رہ جاتا ہے، تو تم اپنے نبی ﷺ کی سنت کو چھوڑ دو گے، اور اگر تم نے ان کی سنت کو چھوڑ دیا تو **گمراہ ہو جاؤ گے**۔ اور جب بھی کوئی آدمی وضو کرتا ہے اور خوب اچھا وضو کرتا ہے، پھر مسجد کا ارادہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اُس کے ہر قدم کے بدلے **ایک نیکی لکھتا ہے، ایک درجہ بلند فرماتا ہے، اور ایک گناہ معاف فرماتا ہے**۔ اور ہم نے خود یہ حالت دیکھی ہے کہ صرف **کھلا منافق** ہی مسجد کی جماعت سے پیچھے رہتا تھا، حتیٰ کہ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ ایک شخص کو دو آدمیوں کے درمیان سہارا دے کر لایا جاتا، یہاں تک کہ اُسے صف میں کھڑا کر دیا جاتا"۔ مسلم [۳]

یقیناً اللہ تعالیٰ نے نماز کو **ہر حال میں واجب** قرار دیا ہے، اور **کسی مریض، خوف زدہ، مسافر، یا کسی بھی دوسرے عذر والے** کو نماز چھوڑنے کی اجازت نہیں دی، بلکہ تخفیف (رعایت) صرف **کبھی نماز کے شرائط میں، کبھی رکعات کی تعداد میں**، اور کبھی **افعال (حرکات) میں** دی گئی ہے، مگر **نماز کبھی معاف نہیں ہوئی** جب تک عقل سلامت ہو۔ بلکہ اللہ

---

[1] اسے **بخاری** (حدیث 7517) اور **مسلم** (حدیث 162) نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے **مسلم** (حدیث 653) نے روایت کیا ہے۔

[3] اسے **مسلم** (حدیث 654) نے روایت کیا ہے۔

تعالیٰ نے تو **جنگ کے دوران** بھی جماعت سے نماز پڑھنے کو **واجب** قرار دیا ہے، تو پھر **امن و سکون** کے وقت میں نمازِ جماعت چھوڑنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟

رمضان المبارک اور سال کے باقی مہینوں میں بھی **نماز کی پابندی** ضروری ہے، کیونکہ بعض لوگ رمضان میں نماز کی پابندی کرتے ہیں، لیکن جیسے ہی رمضان ختم ہوتا ہے **سستی کا شکار ہو جاتے ہیں**، بلکہ بعض اوقات **نمازیں چھوڑ بیٹھتے ہیں**۔۔۔۔اللہ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔اسی طرح **اپنے بچوں، بچیوں**، اور **اپنے زیرِ کفالت افراد** جیسے بیویوں اور خادموں کو بھی **نماز کی تلقین کرنا فرض** ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا: ﴿وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ﴾ [سورۃ طٰہٰ:132] ترجمہ: (اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو، اور اس پر خود بھی ثابت قدم رہو۔ ہم تم سے رزق نہیں مانگتے، ہم ہی تمہیں رزق دیتے ہیں، اور انجام تقویٰ ہی کے لیے ہے)۔اور مؤمنوں کو فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ [سورۃ التحریم:6] ترجمہ: (اے ایمان والو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں)۔

فرض نماز کو ترک کرنا کفر ہے، اور جو اسکے واجب ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ علماء کے اجماع کے مطابق کفرِ اکبر کا مرتکب ہوتا ہے، چاہے وہ نماز پڑھتا ہو یا نہیں۔ اور جو نماز کو ترک کرتا ہے جبکہ اس کی فرضیت پر ایمان رکھتا ہے اور انکار نہیں کرتا، تو وہ بھی کافر ہے۔ علماء کا درست قول یہ ہے کہ اس کا کفر کفرِ اکبر ہے جو اسے اسلام سے خارج کر دیتا ہے، اور اس کے لیے بہت سے دلائل ہیں، جن میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَإِخْوَانُكُمْ فِي الدِّينِ﴾ [سورۃ التوبۃ: 11] ترجمہ: (اب بھی اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کے پابند ہو جائیں اور زکوٰۃ دیتے رہیں تو تمہارے دینی بھائی ہیں)۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو نماز قائم کرنے کی وجہ سے بھائی قرار دیا ہے۔اور مسلم نے جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "بے شک انسان اور شرک وکفر کے درمیان (فرق) صرف نماز چھوڑنا ہے"[1]۔

---

[1] اسے **مسلم** (حدیث 82) نے روایت کیا ہے۔

ترمذی اور دیگر کے یہاں بُریدہ بن الحصیب الاسلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": ہمارا اور ان کے درمیان عہد نماز ہے، جو اسے چھوڑ دے وہ کافر ہو گیا[1]۔"

اور ترمذی نے عبد اللہ بن شقیق العقیلی رحمہ اللہ سے روایت کی ہے، انہوں نے کہا": محمد کے صحابہ کرام کوئی ایسا عمل نہیں دیکھتے جسے ترک کرنا کفر ہو مگر نماز کو چھوڑنا" [2]۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع ہے کہ جو شخص نماز کو سستی اور غفلت سے چھوڑے اسے کافر جانا جائے[3]۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: "نماز چھوڑنے والے کے کفر کی دلیل کتاب، سنت اور صحابہ کے اجماع سے واضح ہے" [4]۔

لہٰذا اللہ سے ڈرو، اور ان پانچ نمازوں کو جماعت کے ساتھ مسجدوں میں قائم رکھو، ان کے ارکان، واجبات اور سنتوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کے مطابق ادا کرو، اور اپنے زیرِ نگرانی بچوں، بیویوں اور ملازمین کو بھی ان کی تعلیم دو، واللہ اعلم۔

اللہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل وصحابہ پر درود وسلام بھیجے۔ آمین۔

☆☆☆

---

(1) اسے **ترمذی**، حدیث: 2621، **نسائی**، حدیث: 463، **ابن ماجہ**، حدیث: 1079 اور **احمد** (جلد 38، صفحہ 20، حدیث 22937) نے روایت کیا ہے، اور **ترمذی** نے کہا: "یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے"۔

(2) اسے **ترمذی**، حدیث: 2622 نے روایت کیا ہے، اور **شیخ عبد العزیز بن باز** نے اسے **مجموع فتاویٰ** (جلد 8، صفحہ 16) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(3) ملاحظہ کریں: **المحلی** از **ابن حزم** (جلد 2، صفحہ 242–243)۔

(4) **کتاب الصلاۃ وأحکام تارکھا** از **ابن القیم**، صفحہ 44۔

سبق نمبر8: ولی امر کے حقوق

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

ہمارے دین اسلام کی خاص بات کامل اور مکمل ہونا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ [سورۃ المائدۃ:3] ترجمہ: (آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنا نام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا) اسلامی شریعت کا کمال یہ بھی ہے کہ اس نے لوگوں کے درمیان تعلقات کو منظم کیا ہے، اور انہیں میں سے ایک تعلق حاکم اور محکوم کے درمیان کا تعلق بھی ہے، اور دونوں کے حقوق کو واضح کیا ہے؛ کیونکہ ان حقوق کی ادائیگی سے دین اور دنیا دونوں کی اصلاح ہوتی ہے۔

عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ تعالی عنہ نے فرمایا:

إنَّ الجماعة حبلُ اللهِ فَاعتَصِمُوا　　منه بعروتِهِ الوثقى لمن دانا
كمْ يَرفعُ اللهُ بالسلطانِ مظلمةً　　في ديننا رحمةً منه ودنيانا[1]

ترجمہ: بے شک جماعت اللہ کی رسی ہے، پس اس کی مضبوط گرہ کو تھام لو، جو اللہ کا دین قبول کرے۔ کتنی ہی ظلم کی اندھیریوں کو اللہ حکمران کے ذریعے رفع فرما دیتا ہے، یہ ہمارے دین میں اللہ کی رحمت ہے اور ہماری دنیا کی بہتری بھی۔

علماء نے عقیدہ کی بہت سی کتابوں میں ولی امر کے رعایا پر حقوق کی وضاحت کی ہے، اور ان حقوق میں سے یہ ہیں:

1- بیعت، یعنی ولی امر کی ولایت کا اعتقاد، بایں طور کہ مسلمان یہ یقین کرے کہ اس کا مسلمان ولی امر حاکم کے حقوق کا مالک ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی

([1]) دیکھیں: امام ابن عبدالبر کی کتاب "التمهيد" جلد21، صفحہ275۔

اطاعت سے ہاتھ اٹھائے گا، وہ قیامت کے دن اللہ سے ملے گا اور اس کے لیے کوئی دلیل نہ ہو گی، اور جو شخص اپنی گردن میں بیعت نہ رکھ کر مرا، وہ جاہلیت کی موت مرا"۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے (۱)

2- سمع اور طاعت، بشرطیکہ اللہ کی نافرمانی نہ ہو، یعنی سمع سے مراد ہے اس کی بات قبول کرنا، اور طاعت سے مراد ہے اس کے حکموں اور نواہی کی پیروی کرنا۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾ [سورۃ النساء: 59] ترجمہ: (اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ تعالی کی اور فرمانبرداری کرو (رسول اللہ علیہ وسلم) کی اور تم میں سے اختیار والوں کی)۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان پر لازم ہے کہ وہ پسند یا ناپسندیدگی ہر حالت میں سمع اور طاعت کرے، سوائے اس کے کہ کسی گناہ کا حکم دیا جائے، اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سمع ہے اور نہ طاعت۔" یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (۲)

3- ولی امر کے لیے نصیحت، یعنی اس کی بھلائی کی خواہش کرنا، جس میں اس کے لیے دعا کرنا بھی شامل ہے۔ تمیم بن أوس الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دین نصیحت ہے"۔ ہم نے پوچھا: "کس کے لیے، یارسول اللہ؟" آپ نے فرمایا": اللہ کے لیے، اس کے کتاب کے لیے، اس کے رسول کے لیے، اور مسلمانوں کے اماموں اور عام لوگوں کے لیے"۔ (یہ روایت مسلم نے نقل کی ہے) (۳)۔

حافظ ابو عمرو بن الصلاح رحمہ اللہ نے فرمایا": نصیحت مسلمانوں کے اماموں یعنی ان کے خلفاء اور سرداروں کے لیے ہے: ان کی حق کی معاونت کرنا، ان کی اطاعت کرنا، ان کو نرم دلی اور مہربانی سے تنبیہ کرنا اور یاد دلانا، ان کے خلاف بغاوت سے بچنا اور ان کے لیے دعا کرنا کہ اللہ انہیں توفیق دے (٤)۔"

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سلطان کے بارے میں فرمایا: "میں رات دن اس کے لیے ہدایت اور کامیابی، مدد کی دعا کرتا ہوں، اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ اس پر فرض ہے" (٥)۔

---

(1) اسے امام مسلم نے اپنی صحیح میں حدیث نمبر 1851 پر روایت کیا ہے۔

(2) اسے امام بخاری نے حدیث نمبر 7144 پر، اور امام مسلم نے حدیث نمبر 1839 پر روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

(3) یہ حدیث صحیح مسلم کی حدیث نمبر 55 میں مذکور ہے۔

(4) دیکھیں: "صیانۃ صحیح مسلم"، صفحہ 222۔

(5) دیکھیں: "السنّۃ" از امام خلال، جلد 1، صفحہ 83۔

٤ - ولی امر کے ظلم اور زیادتی پر صبر کرنا: ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": جو شخص اپنے حکمران کی کوئی بات ناپسند کرے، اسے چاہیے کہ اس پر صبر کرے، کیونکہ جو بھی شخص حکمران سے ایک بالشت کی لمبائی بھی دور ہوا اور اس حالت میں فوت ہو گیا، تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔"(متفق علیہ)۔ [١] اور عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"جو شخص کسی والی (حکمران) کے ماتحت ہو اور وہ اسے کوئی گناہ کرتے دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ گناہ کرنے والی بات کو ناپسند کرے، مگر اپنی اطاعت کا ہاتھ نہ ہٹائے"۔(یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے) [٢]۔

5-حاکم کے خلاف خروج نہ کرنا: جسے آج کل بغاوت، انقلاب یا حاکم کو ہٹانے کا نام دیا جاتا ہے۔ عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیعت کی کہ ہم اپنی خوشی اور ناخوشی، آسانی اور سختی میں اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے، اور کسی کو بھی حکمرانی کے معاملے میں مخالفت نہ کریں، سوائے اس کے کہ تمہیں کھلم کھلا کفر نظر آئے جس پر اللہ کی طرف سے تمہارے پاس ثبوت ہو (متفق علیہ) [٣]۔اور عرفجۃ بن شریح رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا:"جو شخص تمہارے پاس آئے اور تم سب کا معاملہ ایک شخص پر مرکوز ہو، اور وہ چاہے کہ تمہاری دھونس اور گرفت کو توڑے یا تمہاری جماعت کو تقسیم کرے، تو اسے قتل کر دو"۔(مسلم) [٤]

٦ - حکمران کی برائی نہ کرنا، نہ اس کی غیبت کرنا، اور نہ ہی لوگوں کو اس کے خلاف اکسانا کیونکہ یہ بغاوت کی سب سے بڑی وجوہات میں سے ہے۔ زیاد بن کُسیب العدوی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ابو بکرہ کے ساتھ ابن عامر کے منبر کے نیچے تھا اور وہ خطبہ دے رہے تھے اور انہوں نے پتلے کپڑے پہنے ہوئے تھے، تو ابو بلال نے کہا: دیکھو ہمارا امیر فسق و فجور کے کپڑے پہنے ہوئے ہے۔ تو ابو بکرہ نے کہا خاموش رہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا ہوا سنا ہے:"جو شخص زمین پر اللہ کے سلطان کی توہین کرے، اللہ اسے رسوا کرتا ہے"(ترمذی) [٥]۔اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا:"اپنے حکمرانوں کو گالی مت دو، ان سے خیانت مت کرو، ان سے بغض مت رکھو،

---

(1) اسے بخاری حدیث نمبر 7053 اور مسلم حدیث نمبر 1849 پر روایت کرتے ہیں، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(2) یہ روایت صحیح مسلم حدیث نمبر 1855 میں موجود ہے۔

(3) اسے امام بخاری نے حدیث نمبر 7056 اور امام مسلم نے حدیث نمبر 1709 پر روایت کیا ہے۔

(4) صحیح مسلم، حدیث نمبر 1852۔

(5) اسے امام ترمذی نے حدیث نمبر 2224 پر روایت کیا ہے اور فرمایا:"یہ حدیث حسن غریب ہے"، اور علامہ البانی نے اسے صحیح سنن ترمذی میں صحیح قرار دیا ہے۔

اللہ سے ڈرو اور صبر کرو، بے شک معاملہ (۱) قریب ہے"۔(ابن ابی عاصم (۲))۔اور عبد اللہ بن عکیم نے کہا: میں کبھی بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد کسی خلیفہ کے قتل میں مدد نہیں دوں گا۔ پوچھا گیا: اے ابو معبد کیا تم نے ان کے قتل میں مدد کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا: میں ان کے عیبوں کا ذکر کرنا ان کے قتل میں مدد سمجھتا ہوں۔(ابن ابی شیبہ (۳))۔

شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہ اللہ نے فرمایا: "بغاوت دو طرح کی ہوتی ہے: ایک زبان سے بغاوت کرنا، اور دوسری تلوار اور جنگ کے ذریعے۔ پہلی قسم دوسری کے لیے پیش قدمی ہوتی ہے؛ کیونکہ جو لوگ تلوار لے کر بغاوت کرتے ہیں، وہ ایسا صرف اس لیے نہیں کرتے کہ وہ ہتھیار اٹھائیں اور چلیں، بلکہ پہلے لوگوں کے دلوں میں اپنے حکمرانوں کے خلاف بغض اور دشمنی بھرنی پڑتی ہے، تب جا کر بغاوت کا موقع تیار ہوتا ہے" (٤)۔

پس جانیں، اللہ تعالی آپ کا حافظ ہو، اپنے امراء کے حقوق کو پہچانیں اور ان کے لیے دعا کریں کہ اللہ انہیں ہدایت، اصلاح اور مدد عطا فرمائے۔ غور کریں ان ملکوں کی حالت پر جنہوں نے اپنے حکمرانوں کے حقوق ادا نہیں کیے اور جن کے خلاف بغاوت کی گئی اور جن کے اقتدار سے لڑا گیا، تو وہاں فساد اور افراتفری پھیل گئی، دین اور دنیا میں ایسا فساد ہوا جسے صرف اللہ جانتا ہے، اسی لیے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "شاید ایسی کوئی جماعت نہ ہو جو کسی سلطان کے خلاف بغاوت کرے مگر اس بغاوت میں جو فساد پیدا ہوتا ہے وہ اس فساد سے کہیں زیادہ ہوتا ہے جسے وہ ختم کرنے کے لیے نکلی ہو (٥)۔"

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں توحید اور سنت پر زندہ رکھے اور اسی پر ہم موت دے، اور ہماری اور مسلمانوں کی زمینوں کو اختلافات اور فرقہ بندی کے اسباب سے محفوظ رکھے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالی ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر سلامتی اور برکت نازل فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

---

(1) اسے امام ابن ابی عاصم نے "السنّة" میں حدیث نمبر 1015 پر روایت کیا، اور امام بیہقی نے "شعب الإيمان" میں حدیث نمبر 7523 پر۔ علامہ البانی نے "ظلال الجنة" حدیث نمبر 2488 میں فرمایا: اس کی سند جید (اچھی) ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، بعض پر کلام ہے مگر وہ مضر نہیں۔

(2) اسے امام ابن ابی عاصم نے "السنّة" میں حدیث نمبر 1015 پر روایت کیا، اور امام بیہقی نے "شعب الإيمان" میں حدیث نمبر 7523 پر۔ علامہ البانی نے "ظلال الجنة" حدیث نمبر 2488 میں فرمایا: اس کی سند جید (اچھی) ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں، بعض پر کلام ہے مگر وہ مضر نہیں۔

(3) اسے امام ابن ابی شیبہ نے "المصنف" حدیث نمبر 34213 پر، الدولابی نے "الكنى والأسماء" حدیث نمبر 476 پر، اور ابن سعد نے "الطبقات الكبرى" جلد 3، صفحہ 80 پر روایت کیا ہے، اور الفاظ ابن سعد کے ہیں۔

(4) دیکھیں: "لقاء الباب المفتوح" سوال نمبر 171۔

(5) دیکھیں: "منهاج السنة النبوية" از ابن تیمیہ، جلد 3، صفحہ 391۔

سبق نمبر 9: نمازِ تراویح کے احکام

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور صحابہ پر ہو۔ اما بعد:

رمضان کے مہینے میں جو عبادات مشروع ہیں ان میں سے ایک عبادت تراویح کی نماز بھی ہے، جو رمضان کی راتوں میں قیام اللیل (رات کی عبادت) ہے۔ اسے تراویح اس لیے کہا جاتا ہے کیونکہ لوگ اسے بہت طویل کرتے تھے، اور جب وہ چار رکعت پڑھ لیتے تو تھوڑی دیر کے لیے آرام کرتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص رمضان کی راتوں میں ایمان اور اخلاص کے ساتھ قیام کرے گا، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے[١]۔ اور ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو امام کے ساتھ قیام کرے یہاں تک کہ امام اپنی جگہ سے لوٹ جائے، اس کے لیے ایک رات کی عبادت کا ثواب لکھ دیا جاتا ہے"۔ یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے[٢]۔ لہٰذا چاہیے کہ تراویح کی نماز پوری طرح امام کے ساتھ پڑھی جائے تاکہ نمازی کو یہ عظیم اجر حاصل ہو، یعنی کہ اس کے لیے ایک مکمل رات کی قیام کی عبادت لکھ دی جائے۔

نبی ﷺ کی ہدایت میں غالب یہ ہے کہ رمضان کی راتوں میں اور دوسرے ایام میں بھی وہ گیارہ رکعت نماز ادا فرماتے تھے؛ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی ﷺ کی رات کی نماز کی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہا: رسول اللہ ﷺ رمضان میں بھی اور رمضان کے علاوہ بھی گیارہ رکعت سے زیادہ نماز نہیں پڑھتے تھے، چار رکعت پڑھتے، جن کی خوبصورتی اور لمبائی بیان سے باہر ہے، پھر چار رکعت اور پڑھتے، جن کی خوبصورتی اور لمبائی بھی بیان سے باہر ہے، پھر تین رکعت پڑھ کر رک جاتے۔ یہ حدیث متفق علیہ (بخاری و مسلم) ہے[٣]۔

---

(1) اسے بخاری (٣٧) اور مسلم (٧٥٩) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے ابوداود (١٣٧٥)، ترمذی (٨٠٦)، نسائی (١٦٠٥)، ابن ماجہ (١٣٢٧) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے اسے إرواء الغليل (٤٤٧) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(3) اسے بخاری (٣٥٦٩) اور مسلم (٧٣٨) نے روایت کیا ہے۔

اور گیارہ رکعت سے زیادہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں، چاہے رمضان کی قیام ہو یا دوسرے وقتوں میں؛ کیونکہ نبی ﷺ کے بارے میں ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے تیرہ رکعت نماز پڑھی [1]۔ جب ایک شخص نے نبی ﷺ سے رات کی نماز کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: "رات کی نماز دو دو رکعتوں میں پڑھی جاتی ہے" (متفق علیہ) [2] یعنی اس کا کوئی خاص حد مقرر نہیں ہے کہ اس سے زیادہ رکعتیں نہ پڑھی جائیں۔

قیام اللیل کی رکعتوں کی تعداد حالات کے مطابق مختلف ہوتی ہے؛ جو شخص نماز کو طویل کرتا ہے وہ رکعتوں کی تعداد کم کرتا ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کرتے تھے، اور جو لوگ لوگوں کی سہولت کے لئے نماز کو ہلکا کرتے ہیں وہ رکعتوں کی تعداد زیادہ کرتے ہیں، جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دورِ عمر رضی اللہ عنہ میں کیا، جہاں ثابت ہے کہ انہوں نے ۲۳ رکعتیں پڑھی تھیں [3]۔

معزز شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ثابت ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام میں سے جسے بھی مقرر کیا تھا کہ وہ گیارہ رکعتیں پڑھے، اور یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے ان کے حکم سے تئیس رکعتیں بھی پڑھیں، اور یہ بات اس سلسلے میں توسیع کی گواہی دیتی ہے۔

آخری عشرے میں رکعتوں کی تعداد کو پہلے بیس دنوں کے مقابلے میں بڑھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے: ایک حصہ رات کے اوائل میں پڑھی جائے اور اسے تراویح کے طور پر ہلکی رکھی جائے جیسا کہ پہلے بیس دنوں میں ہوتا ہے، اور دوسرا حصہ رات کے آخری حصے میں پڑھی جائے اور اسے طویل کیا جائے جیسا کہ تہجد کی نماز ہوتی ہے۔

امام کے لیے جائز ہے کہ وہ تراویح کی نماز میں قرآن مجید پڑھے اگر وہ قرآن کا حافظ نہ ہو، لیکن نماز پڑھنے والے کو چاہیے کہ وہ امام کی تلاوت کے ساتھ پڑھنے کی غرض سے قرآن مجید ساتھ لے کر نماز نہ؛ کیونکہ اس سے نماز میں بلاضرورت حرکت ہوتی ہے، اور اس سے وہ ہاتھوں کو سینے پر رکھنے کی سنت ترک کر دیتا ہے۔ اس کی استثناء یہ ہے کہ ایک ہی شخص نمازیوں میں سے قرآن مجید لے کر امام کی مدد کرے، خاص طور پر اگر امام حفظ سے پڑھ رہا ہو۔

([1]) اسے بخاری (۱۱۳۸) اور مسلم (٧٦٤) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

([2]) اسے بخاری (۹۹۰) اور مسلم (٧٤٩) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

([3]) اسے عبدالرزاق نے المصنف (۷۷۳۳) میں سائب بن یزید سے روایت کیا ہے وہ کہتے ہیں: "ہم عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قیام (تراویح) سے فارغ ہوتے، جب فجر طلوع ہونے کے قریب ہوتا، اور اس وقت قیام کی تعداد 23 رکعتیں تھیں"۔ (گیارہ رکعت والی روایت کی تخریج بعد میں ذکر کی جائے گی)۔

یہ سنت ہے کہ تراویح کی نماز کو وتر سے ختم کیا جائے، یعنی پہلے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا جائے، پھر ایک رکعت وتر پڑھی جائے، اور یہ سب سے بہتر طریقہ ہے، کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مطابق: "وہ اپنے شفع اور وتر کے درمیان سلام پھیرتے تھے، اور خبر دی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (أحمد)[١]۔

یہ سنت ہے کہ شفع کی پہلی رکعت میں الفاتحہ کے بعد سورۃ الأعلی پڑھی جائے، اور دوسری رکعت میں سورۃ الکافرون، اور وتر کی رکعت میں سورۃ الِاخلاص پڑھی جائے، کیونکہ یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے[٢]۔

اور تین رکعتیں ایک ساتھ بغیر جدا جدا تشہد کے اور ایک سلام کے پڑھی جاسکتی ہیں، لیکن دو تشہد اور ایک سلام کے ساتھ نہیں پڑھی جاتیں تاکہ نماز مغرب کی طرح نہ لگے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت کی ہے[٣]۔

وتر کی نماز میں قنوت پڑھنا مستحب ہے، جیسا کہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے وہ الفاظ سکھائے جو میں وتر کی قنوت میں پڑھتا ہوں: "اللهم اهدني فيمن هديت وعافني فيمن عافيت، وتولني فيمن توليت، وبارك لي فيما أعطيت، وقني شر ما قضيت، إنك تقضي ولا يُقضى عليك، وإنه لا يذل من واليت، ولا يعز من عاديت، تباركت ربنا وتعاليت" (یہ دعا ابوداود نے روایت کی ہے[٤]، اور قنوت میں ہاتھ اٹھانا بھی مستحب ہے، جیسا کہ ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی، تو انہوں نے رکوع کے بعد قنوت کیا، ہاتھ اٹھائے اور بلند آواز سے دعا کی۔ (یہ روایت البیہقی نے بیان کی ہے[٥])۔

---

(1) اسے احمد (٥٤٦١)، ابن حبان (الِاحسان ٢٤٣٥)، طحاوی (شرح معاني الآثار ٢٧٨/١، رقم ١٦٦٤) نے روایت کیا۔ ابن حجر نے فرمایا: اس کی سند قوی ہے، جیسا کہ فتح الباری (٤٨٢/٢) میں ہے۔ اس کا موقوف حصہ بخاری (۹۹۱) نے بھی روایت کیا ہے۔

(2) اسے ترمذی (٤٦٢)، نسائی (۱۷۳۰)، اور احمد (۲۷۲۰) نے روایت کیا ہے، اور البانی نے اسے صحیح سنن النسائي میں صحیح قرار دیا ہے۔

(3) اسے دار قطنی (١٦٥٠)، حاکم (٣٠٤/١)، اور بیہقی (٣١/٣) نے روایت کیا ہے۔ دار قطنی نے کہا: "تمام راوی ثقہ ہیں"، حاکم نے کہا: "یہ روایت شیخین (بخاری و مسلم) کی شرط پر صحیح ہے"، ذہبی نے بھی اس سے اتفاق کیا۔ ابن حجر (فتح الباری ٤٨١/٢) نے فرمایا: "اس کی سند شیخین کی شرط پر ہے"۔

(4) اسے ابوداود (١٤٢٥)، ترمذی (٤٦٤)، نسائی (١٧٤٥)، ابن ماجہ (١١٧٨) نے روایت کیا، اور البانی نے اسے إرواء الغليل (٤٢٩) میں صحیح قرار دیا۔

(5) اسے بیہقی نے السنن الکبری (۳۱۵۰) میں روایت کیا، اور فرمایا: "یہ عمر رضی اللہ عنہ سے صحیح ثابت ہے"۔

وتر کی نماز میں قنوت کرنا رکوع سے پہلے یا بعد میں کیا جا سکتا ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ قنوت رکوع کے بعد کیا جائے کیونکہ اس بارے میں زیادہ احادیث وارد ہوئی ہیں۔ بہتر ہے کہ قنوت میں نماز پڑھنے والا وہ دعائیں پڑھے جو قرآن وحدیث میں وارد ہوئی ہیں، اور اگر کوئی دعا غیر وارد پڑھے تو بھی جائز ہے۔ امام کی دعا پر مأموم آمین کہے، اور جب امام اللہ تعالی کی تعریف کرے تو وہ بھی اللہ تعالی کی حمد وثنا کرے یا چپ چاپ سن لے۔

وتر کی نماز کے سلام کے بعد "سبحان الملك القدوس" کہنا مستحب ہے، جیسا کہ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب وتر کی نماز میں سلام فرماتے تو کہتے: "سبحان الملك القدوس" (ابوداود) [١]۔ نسائی کی روایت میں ہے کہ وہ تین مرتبہ کہتے اور تیسری بار اپنی آواز بلند کرتے تھے [٢]۔ ایک دوسری روایت میں نسائی سے ہے کہ وہ تیسری مرتبہ کو طوالت سے پڑھتے تھے [٣]۔

امام کو چاہیے کہ تراویح کی نماز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی پیروی کرے، قرآن کی تلاوت درست، تجوید کے ساتھ، آسانی سے اور بغیر کسی تکلف کے کرے، اور جو پڑھ رہا ہے اس پر غور کرے، نماز میں خشوع کرے، اور قنوت کے دعا میں سنت کی پابندی کرے۔ دعا میں نہ کوئی لحن ہو، نہ غناء ہو اور نہ تمطی (کھینچاؤ) ہو، کیونکہ دعا اللہ تعالی کے حضور عاجزی، انکساری اور جھکاؤ ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ [سورۃ الأعراف: ٥٥] ترجمہ: (تم لوگ اپنے پروردگار سے دعا کیا کرو گڑگڑا کے بھی اور چپکے چپکے بھی واقعی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہ پسند کرتا ہے جو حد سے نکل جائیں)۔ حد سے زیادہ آواز بلند کرنا، زور زور سے پکارنا، یا غیر قدرتی اور ایسا مصنوعی انداز اپنانا جو قرآن وحدیث میں نہیں آیا، یہ سب دعاء میں حد سے تجاوز اور اعتداء ہے۔

امام کو چاہیے کہ تراویح کی نماز میں جلد بازی اور تیزی سے کام نہ لے کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صالح سلف کی طریقہ کار کے خلاف ہے جو رمضان میں قیام اللیل کرتے تھے۔ جیسا کہ سائب بن یزید سے روایت ہے کہ عمر بن خطاب نے ابی بن کعب اور تمیم الداری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے لیے گیارہ رکعت نماز پڑھائیں، وہ کہتے ہیں: (قاری سو سو آیتیں [٤] پڑھتا تھا یہاں تک کہ لوگ کھڑے کھڑے عصوں پر سہارا لے کر کھڑے رہتے تھے اور

---

(1) اسے ابوداود (١٤٣٠) اور نسائی (١٦٩٩) نے روایت کیا ہے، اور البانی نے اسے صحیح سنن أبي داود میں صحیح قرار دیا ہے۔

(2) اسے نسائی (١٧٣٤) نے روایت کیا، اور البانی نے اسے صحیح سنن النسائي میں صحیح قرار دیا۔

(3) اسے نسائی (١٧٤١) نے روایت کیا، اور البانی نے اسے صحیح سنن النسائي میں صحیح قرار دیا۔

(4) یعنی سینکڑوں آیات کے ساتھ۔

ہم فجر کے وقت ہی ختم کرتے تھے (رواہ امام مالک)(١)۔ اسی لیے علما نے بہتر سمجھا کہ اگر امام کے لیے ممکن ہو کہ رمضان میں قرآن مکمل ختم کر لیا جائے تو وہ بہتر ہے بشر طیکہ اس سے مومنین کو مشقت نہ ہو، ورنہ وہ قرآن کا اتنا حصہ پڑھیں جتنا آسانی سے ممکن ہو تاکہ مشقت سے بچا جا سکے اور لوگوں کو نماز کی رغبت دلائی جا سکے۔

عورت کے لیے مسجد میں تراویح کی نماز میں حاضری جائز ہے بشر طیکہ اس سے کوئی فتنے کا خطرہ نہ ہو، یعنی عورت اور دوسروں دونوں کے لیے سلامتی اور حفاظت کا پورا بندوبست ہو۔ مسجد جانے کے وقت عورت پر لازم ہے کہ وہ اپنے جسم کو مکمل طور پر ڈھانپے، نہ خوشبو لگائے، نہ زیور و آرائش دکھائے، اور نہ ہی کوئی ایسی وضع قطع اپنائے جس سے زینت یا ملبوسات کی نمائش ہو، واللہ أعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر رحمت وسلام بھیجے۔

☆☆☆

([1]) اسے مالک نے موطأ (١/١١٥) میں روایت کیا۔ البانی نے اپنی کتاب صلاۃ التراویح (ص ٥٣) میں فرمایا: "اس کی سند بہت صحیح ہے"۔ اور "فروع الفجر" (یعنی فجر کے شاخیں) سے مراد ہے: فجر کا قریب آنا، جیسا کہ عبدالرزاق کی روایت میں آیا: "...اور فجر کے آثار ظاہر ہونے کے قریب ہو چکے ہوتے"۔

سبق نمبر 10: قرآن کریم کی تلاوت اور تدبر کی فضیلت

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على من لا نبي بعده، أما بعد:

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ سب سے بہترین کلام ہے، اور اللہ کی طرف سے نازل کردہ بہترین کتاب ہے جو بندوں پر نازل ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللَّهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِينُ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ﴾ [سورۃ الزمر: 23]، ترجمہ: (اللہ تعالیٰ نے بہترین کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ آپس میں ملتی جلتی اور بار بار دہرائی ہوئی آیتوں کی ہے جس سے ان لوگوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب کا خوف رکھتے ہیں آخر میں ان کے جسم اور دل اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف نرم ہو جاتے ہیں یہ ہے اللہ تعالیٰ کہ ہدایت جس کے ذریعے جسے چاہے راہ راست پر لگا دیتا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ ہی راہ بھلا دے اس کا ہادی کوئی نہیں)۔

یہ اللہ کی مضبوط رسی ہے، اور حکمت والا ذکر ہے۔ جب جن نے اسے سنا تو کہا: ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ۞ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ﴾ [سورۃ الجن: 1-2] ترجمہ: (ہم نے عجیب قرآن سنا ہے ۞ جو راہ راست کی طرف راہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لا چکے۔) جو اسے قبول کرے سچا ہے، جو اس پر عمل کرے اجر و ثواب پائے، جو اس کے مطابق فیصلہ کرے اس نے عدل کیا، اور جو اس کی طرف بلائے اس نے سیدھے راستے کی طرف بلایا۔

قرآن کی برکت یہ ہے کہ قیامت کے دن یہ اپنے پڑھنے والوں کے لئے شفاعت کرے گا۔ حضرت ابوامامہ الباہلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن پڑھو، کیونکہ قیامت کے دن یہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے شفیع ہوگا"۔ (مسلم)[1]

قرآن کی تلاوت کرنے والے کو بلند درجات عطا ہوتے ہیں۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم سے قرآن پڑھنے والے کے لئے کہا جائے گا: پڑھو اور بلندی

---

[1] اسے مسلم (٨٠٤) نے روایت کیا ہے۔

حاصل کرو اور جیسے دنیا میں ترتلاوت کرتے تھے ویسے ہی تلاوت کرو، کیونکہ تمہاری منزل آخری آیت کے مطابق ہے جسے تم پڑھتے ہو"۔(ابوداؤد) (۱)

جو قرآن پر مہارت رکھتاہے وہ نیک وپاک فرشتوں کے ساتھ ہوگا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قرآن میں ماہر شخص معزز فرشتوں کے ساتھ ہوگا،اور جو قرآن پڑھتا ہے مگر اسے پڑھنے میں دشواری محسوس کرتاہے،اس کے لئے دو اجر ہیں"۔(متفق علیہ)(۲) ایک تلاوت کا اجر اور دوسرا اس کی مشقت کا اجر ہے۔

اور جو کوئی قرآن کا ایک حرف بھی پڑھے،اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیاں لکھتاہے، پھر اللہ جسے چاہتاہے وہ اسے کئی گنا بڑھادیتاہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو کوئی اللہ کی کتاب کا ایک حرف پڑھے گا،اسے اس کا ایک نیکی لکھا جائے گا،اور نیکی کا دس گنا اجر ملے گا۔ میں نہیں کہتا 'الم' ایک حرف ہے،بلکہ الف ایک حرف ہے،لام ایک حرف ہے،اور میم ایک حرف ہے"۔(ترمذی)(۳)

حضرت ابی موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایمان والے کا حال جو قرآن پڑھتاہے اس کی مثال ترنجی (ایک خوشبودار پھل) کی طرح ہے، جس کا خوشبو اور ذائقہ دونوں اچھے ہیں، اور اس ایمان والے کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی طرح ہے جس کا کوئی خوشبو نہیں لیکن ذائقہ میٹھا ہے"۔(متفق علیہ) (٤) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تم میں سے کوئی شخص صبح کے وقت مسجد نہیں جاسکتا تاکہ وہ دو آیتیں سیکھے یا پڑھے؟ یہ اُس کے لیے دو اونٹنیوں سے بہتر ہے، تین آیتیں تین اونٹنیوں سے بہتر ہیں، چار آیتیں چار اونٹنیوں سے بہتر ہیں،اور اسی طرح جتنی آیتیں، اتنی اونٹنیوں سے بہتر ہیں"۔(مسلم) (٥) حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی

---

(1) اسے ابوداود(١٤٦٤)، ترمذی(٢٩١٤)(اور الفاظ ترمذی کے ہیں)،اور نسائی(السنن الکبری،٨٠٠٢) نے روایت کیاہے۔ ترمذی نے فرمایا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے۔"

(2) اسے بخاری(٤٩٣٧) اور مسلم(٧٩٨) نے روایت کیاہے،اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(3) اسے ترمذی(٢٩١٠)، ابونعیم نے حلیۃ الأولیاء(٢٦٣/٦) میں،اور بیہقی نے شعب الإیمان(١٩٨٣) میں روایت کیاہے۔ ترمذی نے فرمایا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے"۔

(4) اسے بخاری(٥٤٢٧) نے روایت کیاہے(اور الفاظ اسی کے ہیں)،اور مسلم(٧٩٧) نے بھی روایت کیاہے۔

(5) اسے مسلم(٨٠٣) نے روایت کیاہے۔

قوم اللہ کے گھر میں جمع ہو کر قرآن پڑھتی ہے اور اسے آپس میں سمجھتی ہے، تو ان پر سکون نازل ہوتا ہے، ان پر رحمت نازل ہوتی ہے، فرشتے ان کا گھیراؤ کرتے ہیں، اور اللہ انہیں اپنے پاس یاد رکھتا ہے"۔ (مسلم) (۱)

قرآن مجید کے بہت بڑے فضائل ہیں، اور صاحب قرآن بڑی جزا کا مستحق ہوتا ہے۔ یہ اللہ کے ذکر کے بہترین ذرائع میں سے ہے۔ اس کی فضیلت اور اجر اس وقت بڑھ جاتا ہے جب اس کی تلاوت افضل اوقات میں کی جائے، جیسے کہ رمضان المبارک کا مہینہ۔ یہ بات مسلمانوں کو ترغیب دیتی ہے کہ وہ ان افضل اوقات سے فائدہ اٹھائیں اور قرآن کی تلاوت میں جلدی کریں اور اس کی کثرت سے تلاوت کریں۔

مسلمان کو چاہیے کہ قرآن کی تلاوت کے ساتھ اس کے معانی پر غور کرے، دل لگا کر پڑھے، اور اس پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ إِلَيْكَ مُبَارَكٌ لِّيَدَّبَّرُوا آيَاتِهِ وَلِيَتَذَكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ﴾، ترجمہ: (یہ بابرکت کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اس لئے نازل فرمایا ہے کہ لوگ اس کی آیتوں پر غور و فکر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت حاصل کریں۔)[سورۃ ص: ۲۹]۔ قرآن کی برکت اور فائدہ اسی سے بڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ﴾ ترجمہ: (اس میں ہر صاحب دل کے لئے عبرت ہے اور اس کے لئے جو دل متوجہ ہو کر کان لگائے اور وہ حاضر ہو)۔[سورۃ ق: ۳۷]، ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: "دل کے لیے قرآن کی تلاوت سے زیادہ کوئی چیز فائدہ مند نہیں ہے جب وہ تدبر اور غور و فکر کے ساتھ کی جائے (۲)"۔

رمضان کے مہینے کو غنیمت جانیں، اللہ آپ پر رحم کرے، قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کریں، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام رمضان میں ہر سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کی تلاوت کیا کرتے تھے، اور اس سال جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے، انہوں نے دو مرتبہ تلاوت کی (۳) تاکہ تاکید اور تقویت ہو۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا کہ رمضان میں قرآن کی کثرت سے تلاوت کرتے تھے اور قرآن کو بار بار ختم کرنے کی کوشش کرتے تھے تاکہ اس مبارک وقت سے بھرپور فائدہ اٹھا سکیں۔ حضرت امام زہری رحمہ اللہ جب رمضان آتا تو وہ کہتے تھے: "یہ صرف قرآن کی تلاوت اور کھانا کھلانے کا مہینہ ہے"۔ حضرت مالک رحمہ اللہ بھی رمضان میں حدیث کی قراءت اور علمی مجلسوں سے پرہیز کرتے اور صرف قرآن کی

---

(1) اسے مسلم (۲٦٩٩) نے روایت کیا ہے۔

(2) ملاحظہ ہو: مفتاح دار السعادۃ (۱/۱۸۷)۔

(3) اسے بخاری (۱۹۰۲) اور مسلم (۲۳۰۸) نے روایت کیا ہے۔

تلاوت کرتے[1]۔ حضرت الاسود بن یزید رحمہ اللہ رمضان میں ہر دو راتوں میں قرآن ختم کرتے[2]، اور مجاہد بن جبر رحمہ اللہ رمضان میں ہر رات قرآن ختم کرتے[3]، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ رمضان میں ساٹھ مرتبہ قرآن ختم کرتے تھے[4]۔

اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صالح سلف کی پیروی کریں، اور ان کے راستے پر چلیں، کیونکہ یہ چند دنوں کی مدت ہے جو تیزی سے گزر جاتی ہے۔ اور مسلمان اپنی دنیا میں صرف ان نیک اعمال سے فائدہ اٹھا سکتا ہے جو اس عرصے میں کرتا ہے، جن کے ذریعے وہ اللہ کی رحمت اور جنت حاصل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴾ ترجمہ: (یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو)۔ [سورۃ الزخرف: 72] اور فرمایا: ﴿وَأَن لَّيْسَ لِلْإِنسَانِ إِلَّا مَا سَعَى ۝ وَأَنَّ سَعْيَهُ سَوْفَ يُرَى ۝ ثُمَّ يُجْزَاهُ الْجَزَاءَ الْأَوْفَى ۝ وَأَنَّ إِلَى رَبِّكَ الْمُنتَهَى﴾ ترجمہ: (اور یہ کہ ہر انسان کے لئے صرف وہی ہے جس کی کوشش خود اس نے کی ۞ اور یہ بیشک اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی ۞ پھر اسے پورا پورا بدلہ دیا جائے گا)۔ [سورۃ النجم: 39-42]، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل واصحاب پر رحمت وسلام بھیجے۔

☆☆☆

(1) ملاحظہ ہو: لطائف المعارف از ابن رجب، صفحہ (١٧١)۔

(2) ملاحظہ ہو: سیر أعلام النبلاء از امام ذہبی (٤/٥١)۔

(3) ملاحظہ ہو: الأذکار از امام نووی، صفحہ (١٩٦)۔

(4) ملاحظہ ہو: سیر أعلام النبلاء از ذہبی (١٠/٣٦)۔

سبق نمبر 11: قرآنِ کریم کی تلاوت کے احکام

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر، ان کے اہلِ بیت اور صحابہ کرام پر۔ اما بعد:

بے شک قرآنِ کریم سب سے اعلیٰ اور عظیم کلام ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی تعظیم و تکریم کے لیے اسے کئی خاص احکام سے ممتاز فرمایا ہے، جن میں سے چند احکام یہ ہیں:

۱ - **حالتِ حدث میں بغیر آڑ کے مصحف کو چھونا حرام ہے:** کیونکہ اس کی دلیل رسول اللہ ﷺ کا وہ مکتوب ہے جو آپ ﷺ نے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا، جس میں فرمایا: **"قرآن کو صرف پاک شخص ہی چھوئے"** (اسے امام مالک رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے) [(۱)]۔ مصحف میں وہ تمام چیزیں شامل ہیں جو اس کی خرید و فروخت میں شامل ہوتی ہیں، جیسے اس کا جلد، حاشیہ اور دیگر اجزاء۔ اسی طرح حالتِ حدث میں مصحف کا کوئی بھی حصہ چھونا جائز نہیں، چاہے وہ ایک ورق ہی کیوں نہ ہو۔ البتہ جو شخص باوضو نہ ہو، وہ کسی آڑ (جیسے دستانے وغیرہ) کے ساتھ مصحف کو چھو سکتا ہے۔ اور اگر کوئی شخص بغیر مصحف کو چھوئے صرف قرآنِ کریم کی تلاوت کرنا چاہے، تو اس کے لیے باوضو ہونا مستحب ہے؛ اس کی دلیل مہاجر بن قنفذ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ وہ نبی ﷺ کے پاس آئے جبکہ آپ پیشاب کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے اُن کے سلام کا جواب نہیں دیا یہاں تک کہ وضو فرما لیا، پھر جواب دیا اور فرمایا: **"مجھے تمہارے سلام کا جواب دینے سے صرف یہ چیز روکے ہوئی تھی کہ میں ناپاکی کی حالت میں اللہ کا ذکر کرنا ناپسند کرتا ہوں"** (اسے ابوداؤد نے روایت کیا ہے) [(۲)]۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بغیر وضو کے سلام کا جواب دینے کو ناپسند فرمایا، تو قرآنِ کریم کی تلاوت کا معاملہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔

۲ - **قرآنِ کریم کی تلاوت سے پہلے مسواک کرنا مؤکد (بہت مستحب) ہے:** اس کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: **"بے شک بندہ جب مسواک کرتا ہے، پھر نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے، تو ایک فرشتہ اس کے پیچھے کھڑا ہو جاتا ہے اور اس کی تلاوت کو غور سے سنتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے منہ کے قریب آ**

---

[1] اسے امام مالک نے الموطأ (۱۹۹۱) حدیث نمبر 1 میں، دار قطنی (٤٣٩)، حاکم (٤٨٥/٣) اور بیہقی (٨٧/١) میں روایت کیا ہے۔ حاکم نے حدیث کی سند کو صحیح قرار دیا، اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی، نیز البانی نے اسے إرواء الغلیل (١٢٢) میں صحیح قرار دیا۔

[2] اسے ابوداود (۱۷)، نسائی (۳۸) (مختصرًا)، اور ابن ماجہ (٣٥٠) نے روایت کیا، اور البانی نے اسے السلسلۃ الصحیحۃ (٨٣٤) میں صحیح کہا۔

جاتا ہے، اور اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ دیتا ہے۔ پس جو کچھ قرآن اس کے منہ سے نکلتا ہے، وہ فرشتہ کے پیٹ میں چلا جاتا ہے۔ لٰہذا اپنے منہ کو قرآن کے لیے پاکیزہ رکھو"۔(اسے بزار نے روایت کیا ہے[1])۔

۳ -بیت الخلا میں مکمل مصحف یا اس کا کوئی بھی حصہ لے جانا حرام ہے: جیسے کہ قرآن کے اجزاء میں سے کوئی جزء، یا ایک ورق، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور سب سے اشرف کلام ہے، اور اسے بیت الخلا میں لے جانا اس کی بے حرمتی کے مترادف ہے۔ البتہ اگر اس سے بھی بڑی کوئی خرابی کا اندیشہ ہو، تو لے جانا جائز ہو جاتا ہے، جیسے کہ اس بات کا خوف ہو کہ وہ کسی کافر کے ہاتھ لگ جائے گا جو اس کی توہین کرے گا، یا اس کے ضائع ہونے یا چوری ہونے کا خطرہ ہو۔

جہاں تک موبائل فون یا دیگر برقی آلات کی بات ہے جن میں قرآنِ کریم محفوظ ہوتا ہے، تو ان آلات کے ساتھ بیت الخلا میں جانا **جائز ہے اگر** ان میں قرآن بند (کلوز) ہو۔ لیکن اگر قرآن کھلا ہوا ہو (یعنی سکرین پر ظاہر ہو)، تو اس کا حکم وہی ہو گا جو مصحف کے بارے میں ہے، یعنی اس کے ساتھ بیت الخلا میں جانا **حرام** ہو گا۔

۴ -جب قاری قرآنِ کریم کی تلاوت کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے شیطانِ رجیم کے شر سے پناہ مانگنا مستحب ہے: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ [سورۃ النحل: ۹۸] اور جہاں تک **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کا تعلق ہے: اگر قاری تلاوت کی ابتداء سورت کے آغاز سے کر رہا ہو، تو استعاذہ کے بعد **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کہنا مستحب ہے، سوائے سورۃ براءۃ (التوبہ) کے، کیونکہ اس کے آغاز میں **بسم اللہ** نہیں ہے۔ اور اگر قاری سورت کے درمیان سے تلاوت شروع کر رہا ہو، تو صرف استعاذہ کافی ہے، اور **بسم اللہ** پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

۵ - قاری کے لیے سجدۂ تلاوت کرنا مستحب ہے، جب وہ ان آیات کی تلاوت کرے جن میں سجدہ وارد ہوا ہو، چاہے نماز میں ہو یا نماز سے باہر: حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا": میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی، تو انہوں نے سورۃ الانشقاق کی یہ آیت تلاوت کی: ﴿وَإِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ﴾ [الانشقاق: ۱] تو وہ سجدے میں چلے گئے، میں نے عرض کیا: یہ کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: میں نے یہ سجدہ ابو القاسم ﷺ (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے پیچھے کیا تھا، پس میں ہمیشہ اس میں سجدہ کرتا رہوں گا یہاں تک کہ اُن سے

---

[1] اسے بزار (٦٠٣) نے روایت کیا، اور کہا: "ہم نہیں جانتے کہ یہ حدیث علی رضی اللہ عنہ سے اس سے بہتر سند کے ساتھ روایت ہوئی ہو"۔ ہیثمی نے مجمع الزوائد (٩٩/٢) میں اس کی نسبت بزار کی جانب کرنے کے بعد کہا: "اس کے راوی ثقہ ہیں"۔ اور البانی نے السلسلۃ الصحیحۃ (٢١٥/٣) میں کہا: "اس کی سند جید ہے"۔

جاملوں"۔(متفق علیہ)[١] اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں": نبی کریم ﷺ ہمارے سامنے سجدہ والی آیت پڑھتے، تو آپ سجدہ کرتے اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے، یہاں تک کہ ہم میں سے کسی کو اپنی پیشانی رکھنے کے لیے جگہ بھی نہ ملتی"۔ متفق علیہ[٢]

سجدۂ تلاوت سامع (سننے والے) کے لیے بھی سنت ہے[٣] یعنی وہ شخص جو قاری کی تلاوت کو خاموشی سے غور سے سن رہا ہو۔ پس اگر قاری سجدہ کرے، اور سامع اس کے قریب ہو، تو اُس کے لیے بھی سنت ہے کہ وہ قاری کے ساتھ سجدہ کرے؛ کیونکہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ سجدہ کیا کرتے تھے، جیسا کہ پہلے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ذکر ہوا: **"پس آپ سجدہ کرتے، اور ہم بھی آپ کے ساتھ سجدہ کرتے تھے"۔**

پس اگر قاری سجدہ نہ کرے تو سامع بھی سجدہ نہ کرے کیونکہ سجدۂ تلاوت میں سامع کا حکم قاری کے تابع ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص ریڈیو یا کسی اور ذریعے سے قاری کی تلاوت سن رہا ہو، اور وہ قاری سجدے والی آیت پڑھے، تو سننے والے پر سجدہ واجب یا مسنون نہیں ہے؛ کیونکہ سامع اُسی وقت سجدہ کرے گا جب قاری بھی سجدہ کرے اور وہ اس وقت اُس کے قریب موجود ہو، اور اس حالت میں قاری اُس وقت اُس کے قریب موجود نہیں ہوتا۔

سجدۂ تلاوت کی فضیلت پر دلالت کرنے والی ایک روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا": جب آدم کا بیٹا (یعنی انسان) سجدے والی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے، تو شیطان ایک طرف ہٹ جاتا ہے اور روتا ہے، اور کہتا ہے: ہائے میری بدبختی! آدم کے بیٹے کو سجدے کا حکم دیا گیا، تو اس نے سجدہ کیا، پس اس کے لیے جنت ہے، اور مجھے سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا، تو میں نے انکار کیا، پس میرے لیے آگ (جہنم) ہے۔)" اسے امام مسلم رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔[٤]

سجدۂ تلاوت کا طریقہ یہ ہے کہ ایک ہی سجدہ کیا جائے، نیچے جاتے ہوئے تکبیر کہی جائے، اور اٹھتے وقت تکبیر نہ کہی جائے، سوائے اس صورت کے جب سجدۂ تلاوت نماز میں ہو، تو دونوں جگہ تکبیر کہنی چاہیے کیونکہ نبی

---

(1) اسے بخاری (١٠٧٨) اور مسلم (٥٧٨) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے بخاری (١٠٧٦) اور مسلم (٥٧٥) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(3) مستمع وہ شخص ہوتا ہے جو قاری کی قرأت کو خاموشی سے غور سے سنتا ہے، جبکہ سامع وہ ہوتا ہے جو سن تو رہا ہو، مگر توجہ نہ دے۔ سامع کے لیے سجدۂ تلاوت مشروع نہیں۔

(4) اسے مسلم (٨١) نے روایت کیا ہے۔

ﷺ کی نماز کے بارے میں صحیح احادیث سے معلوم ہوا ہے کہ آپ ﷺ ہر بار نیچے جاتے اور اٹھتے وقت تکبیر کہتے تھے[۱]۔اور سجدے میں قاری یہ دعا پڑھے:" سُبْحَانَ رَبِّيَ الأَعْلَى "جیسا کہ نماز کے سجدے میں کہا جاتا ہے،اور وہ یہ بھی پڑھ سکتا ہے" سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِي خَلَقَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ"(میری پیشانی اُس ذات کے سامنے سجدہ کرتی ہے جس نے اسے پیدا کیا،اور اس کے کان اور آنکھیں اپنی قدرت اور قوت سے پیدا کیں)[۲]۔اور یہ بھی پڑھ سکتا ہے" اللهم اكتب لی بها عندك أجرًا، وامْحُ عنی بها وزرًا، واجعلها لی عندك ذخرًا، وتقبّلها منی كما تقبّلتها من عبدك داود عليه السلام "(اے اللہ! اس کے ذریعے میرے لیے اپنے پاس اجر لکھ دے،میرے گناہوں کو اس کے ذریعے معاف فرما،اور اسے میرے لیے اپنے ہاں ذخیرہ بنا دے،اور اسے میرے بندے داؤد کی طرح قبول فرما) [۳]۔

سجدۂ تلاوت نماز نہیں ہے،اس لیے اس کے لیے نماز کے ارکان جیسے وضو، قبلہ کی طرف رخ، عورۃ کا پردہ اور دیگر شرائط لازم نہیں ہیں،حالانکہ بہتر یہی ہے کہ نماز کی شرائط کا لحاظ رکھا جائے۔

پس-آپ سب کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے -آپ قرآن کریم کی تلاوت کا اہتمام کریں،اس کے احکام کی پابندی اور اس کے ساتھ ادب واحترام اختیار کرتے ہوئے،یہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس پر نہ کوئی جھوٹ اُس کے سامنے سے آتا ہے اور نہ پیچھے سے،یہ حکیم وحمید کی طرف سے نازل کیا گیا ہے،واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ،اُن کے اہلِ بیت اور صحابہ کرام سب پر درود وسلام بھیجے۔

☆☆☆

---

(1)اسے بخاری(۷۸۵)اور مسلم(۳۹۲)نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(2)اسے ترمذی(۵۸۰) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کے وقت قرآن کے سجدے میں یہ دعا پڑھا کرتے تھے...(حدیث مکمل ہے)،اور فرمایا:"یہ حدیث حسن صحیح ہے"،البانی نے صحیح سنن الترمذی(۵۸۰)میں اس کی تصحیح کی ہے۔

(3)اسے ترمذی(۵۷۹)،ابن ماجہ(1053)(الفاظ ترمذی کے ہیں)،اور حاکم نے المستدرک (1/219-220) میں روایت کیا۔حاکم نے اسے صحیح کہا اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے،نیز البانی نے صحیح سنن الترمذی(۵۷۹)میں اسے حسن قرار دیا۔

سبق نمبر 12: رمضان میں خیر کے مختلف طریقوں میں خرچ کرنے کی فضیلت

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر، ان کے اہلِ بیت اور تمام صحابہ کرام پر۔ امابعد:

بے شک رمضان کے مہینے میں سب سے بڑی عبادات اور بہترین قربتیں اور نیکیوں میں سے ایک صدقہ دینا ہے۔

غریبوں، مسکینوں اور محتاجوں پر خرچ کرنا، مسلمانوں کے مقروضوں کے قرض ادا کرنا، اور صدقات دینا ایسی نیکیاں ہیں جن میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے رغبت دلائی ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ مَّثَلُ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ أَنبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِي كُلِّ سُنبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَن يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ۞ الَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنفَقُوا مَنًّا وَلَا أَذًى لَّهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴾، ترجمہ: (جو لوگ اپنا مال اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کی مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالی جسے چاہے اور بڑھادے اور اللہ تعالی کشادگی والا اور علم والا ہے ۞ جو لوگ اپنا مال اللہ تعالی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر اس کے بعد نہ تو احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذا دیتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر نہ تو کچھ خوف ہے نہ وہ اداس ہونگے)۔ [سورۃ البقرۃ: ۲۶۱، ۲۶۲] ، اور اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ قُلْ إِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَا أَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴾ ترجمہ: (کہہ دیجئے! کہ میرا رب اپنے بندوں میں جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کے لئے چاہے تنگ کر دیتا ہے تم جو کچھ بھی اللہ کی راہ میں خرچ کروگے اللہ اس کا (پوراپورا) بدلہ دے گا اور سب سے بہتر روزی دینے والا ہے)۔ [سورۃ سبأ: ۳۹]۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ سب سے زیادہ سخی انسان تھے، اور سب سے زیادہ سخاوت رمضان کے مہینے میں کرتے تھے، جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ سے ملاقات کرتے تھے، اور وہ رمضان میں ہر رات آکر قرآن کا دورہ کراتے تھے، اس وقت رسول اللہ ﷺ کی سخاوت تیز ہوا کی مانند ہو جایا کرتی تھی"۔ متفق علیہ (۱)

---

(1) اسے بخاری (٦) اور مسلم (٢٣٠٨) نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "نبی ﷺ سب سے اچھے انسان تھے، سب سے زیادہ بہادر تھے، اور سب سے زیادہ سخی تھے"۔ متفق علیہ (١)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ سے اسلام کے بارے میں کوئی بھی چیز نہیں مانگی گئی مگر آپ نے دے دی"۔ ایک بار ایک شخص آیا اور اسے دو پہاڑوں کے درمیان میں بکریاں دی گئیں، تو وہ اپنے قبیلے کی طرف لوٹ کر بولا: "اے میرے قوم کے لوگو! اسلام قبول کر لو، کیونکہ محمد ﷺ بہت فیاض ہیں، وہ دینے میں کبھی خوفزدہ نہیں ہوتے کہ کہیں ان کی غربت نہ ہو جائے"۔ اسے مسلم نے روایت کیا ہے (٢)۔

اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا": رسول اللہ ﷺ سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی اور آپ نے 'نہیں' کہا ہو"۔ متفق علیہ (٣)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: ایک عورت ایک چادر لے کر آئی (٤)، اور کہا": اے رسول اللہ ﷺ! میں نے یہ اپنے ہاتھوں سے بنائی ہے تاکہ میں اسے آپ کو پہنادوں۔" تو رسول اللہ ﷺ نے اسے لیا کیونکہ آپ کو اس کی ضرورت تھی، پھر آپ ہمارے پاس آئے اور وہ چادر آپ کا کمر بند تھی۔ لوگوں میں سے ایک شخص نے اسے چھوا اور کہا: "اے رسول اللہ ﷺ! یہ مجھے پہنادیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "ہاں"۔ پھر آپ نے جتنا چاہیں وہاں بیٹھے، پھر آپ نے چادر کو تہ کیا اور اسے اس شخص کے پاس بھیج دیا۔ لوگوں نے کہا: "تم نے اچھا 'نہیں' کیا، تم نے اس چادر کو آپ سے مانگ لیا، جبکہ تم جانتے ہو کہ وہ مانگنے والے کو کبھی انکار نہیں کرتے۔" اس شخص نے کہا: "واللہ، میں نے اسے صرف اس لیے مانگا تاکہ وہ میرے مرنے کے دن میرا کفن ہو"۔ حضرت سہل نے فرمایا": اور واقعی وہ اس کا کفن بن گئی"۔ اسے بخاری نے روایت کیا ہے۔ (٥)

اور آپ کی سخاوت اللہ تعالی کے لیے اور اس کی رضا کی تلاش میں تھی۔ وہ اپنی دولت یا تو غریبوں یا محتاجوں کو دیتے، یا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرتے، یا اسے اسلام کو مضبوط کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے تاکہ اسلام کو وہ

---

(1) اسے بخاری (٢٨٢٠) اور مسلم (٢٣٠٧) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے مسلم (٢٣١٤) نے روایت کیا ہے۔

(3) اسے بخاری (٦٠٣٤) اور مسلم (٢٣١١) نے روایت کیا ہے۔

(4) اسے بخاری (٢٨٢٠) اور مسلم (٢٣٠٧) نے روایت کیا ہے۔

(5) اسے بخاری (٥٨١٠) نے روایت کیا ہے۔

لوگ قبول کریں جن سے اسلام مضبوط ہو۔ وہ اپنی جان، اپنے گھر والوں اور اپنے بچوں پر ترجیح دیتے تھے، اور اس طرح خرچ کرتے تھے جیسے آپ کو غربت کا کوئی خوف نہ ہو۔ اور آپ خود غریبوں کی طرح زندگی گزارتے تھا۔ کئی بار ایسا ہوتا تھا کہ ایک یا دو مہینے تک آپ کے گھر میں آگ بھی نہیں جلتی تھی، اور کبھی کبھار بھوک کی شدت سے آپ اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے۔ اور آپ کی سخاوت رمضان کے مہینے میں دوسرے مہینوں کی نسبت زیادہ بڑھ جاتی تھی(١)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "وہ سات لوگ ہیں جنھیں اللہ تعالی قیامت کے دن اپنے سائے میں رکھے گا، جبکہ اس دن سوا اس کے کوئی سایہ نہیں ہوگا، اور ان میں سے ایک وہ شخص ہے جو صدقہ دیتا ہے لیکن اتنا چھپاتا ہے کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی نہیں جانتا کہ اس کا دایاں ہاتھ کیا خرچ کر رہا ہے"۔ متفق علیہ۔(٢)

کتنا اچھا ہے کہ مسلمان روزے، نماز، اور قرآن کی تلاوت کے ساتھ صدقہ بھی کرے، اور اللہ کی رضا کی امید رکھے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّن تَبُورَ ۞ لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۚ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ ﴾ ترجمہ: (جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں وہ ایسی تجارت کے امیدوار ہیں جو کبھی خسارہ میں نہ ہوگی ۞ تاکہ ان کو ان کی اجرتیں پوری دے اور ان کو اپنے فضل سے زیادہ دے بیشک وہ بڑا بخشنے والا قدردان ہے)[سورۃ فاطر: ٣٠-٢٩]۔

اور جان لو کہ صدقہ کے بہت سے فائدے اور فوائد ہیں جنھیں صرف اللہ ہی شمار کر سکتا ہے، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

صدقہ اللہ تعالی کو خوش کرتی ہے، برے انجام سے بچاتی ہے، مصیبتوں کو دفع کرتی ہے، گناہوں کو مٹاتی ہے، مال کی حفاظت کرتی ہے، رزق میں اضافہ کرتی ہے، دل کو خوش کرتی ہے، اللہ پر اعتماد اور اچھا ظن پیدا کرتی ہے، شیطان کو مات دیتی ہے، نفس کو پاکیزگی اور ترقی دیتی ہے، بندے کو اللہ اور اس کی مخلوق کے نزدیک محبوب بناتی ہے، ہر عیب کو چھپا دیتی ہے، عمر میں اضافہ کرتی ہے، لوگوں کی دعائیں اور محبت حاصل کرتی ہے، قبر کے عذاب سے بچاتی ہے،

---

(1) دیکھیں: لطائف المعارف از ابن رجب، صفحہ (١٦٥)۔

(2) اسے بخاری (١٤٢٣) اور مسلم (١٠٣١) نے روایت کیا ہے۔

قیامت کے دن اس کے لیے سایہ بن جاتی ہے، اللہ کے ہاں شفاعت کرتی ہے، اور دنیا و آخرت کی مشکلات کو آسان کر دیتی ہے، اور اسے باقی نیکیوں کی طرف راغب کرتی ہے، لہٰذا کوئی بھی نیکی اس پر سخت نہیں ہوتی۔ اور اس کے فوائد اور منافع اس سے بھی کئی گنا زیادہ ہیں [1]۔

رمضان کے مہینے میں سخاوت اور خرچ کرنے کے بہت سے فوائد ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱ - وقت کی شان و وقعت اور اس مہینے میں کیے گئے عمل کا اجر کئی گنا بڑھ جانا: اور روزہ داروں، قیام کرنے والوں، اور اللہ کی عبادت کرنے والوں کی مدد کرنا، کیونکہ ان کی مدد کرنے والے کو بھی اتنا ہی اجر ملتا ہے جتنا ان کو، جیسا کہ کہا جاتا ہے: "جو غازی کے سامان کی تیاری کرتا ہے وہ خود غازی کے برابر ہے، اور جو اس کے پیچھے گھر والوں کا خیال رکھتا ہے وہ بھی غازی کے برابر ہے"۔ حضرت زید بن خالد الجہنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو روزہ دار کو افطار کرائے، اس کے لیے روزہ دار کے برابر اجر ہے، اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہیں ہوتی"۔ ترمذی نے روایت کیا ہے۔ [2]

۲ - رمضان کا مہینہ ایسا مہینہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنی رحمت، بخشش، اور آگ سے نجات کا انعام اپنے بندوں پر نازل فرماتا ہے، خاص طور پر شبِ قدر میں۔ اللہ تعالیٰ اپنے رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے، جیسا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "یہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے، اور اللہ اپنے بندوں میں صرف رحم کرنے والوں پر رحم فرماتا ہے"۔ متفق علیہ [3] پس جو شخص اللہ کے بندوں پر سخاوت کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے بھی عنایت اور فضل سے نوازے گا، کیونکہ جزا عمل کے برابر ہوتی ہے۔

۳ - روزہ اور صدقہ کا ایک ساتھ ہونا جنت کا باعث بنتا ہے، جیسا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "آج تم میں سے کون روزہ دار ہے؟" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں۔" پھر فرمایا: "آج تم میں سے کون ہے جس نے جنازے کی پیروی کی ہے؟" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں۔" پھر فرمایا: "آج تم میں سے کون کسی مسکین کو کھانا کھلایا؟" حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے

---

[1] دیکھیں: عدۃ الصابرین (ص ٢٥٤) از ابن القیم۔

[2] اسے ترمذی (٨٠٧)، ابن ماجہ (٢٧٥٩)، اور احمد (٢٦١/٢٨) حدیث (١٧٠٣٣) نے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے فرمایا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے"، اور البانی نے اسے صحیح الترغیب والترہیب (١٠٧٨) میں صحیح قرار دیا ہے۔

[3] اسے بخاری (١٢٨٤) اور مسلم (٩٢٣) نے روایت کیا ہے۔

کہا": میں۔" پھر فرمایا: "آج تم میں سے کس نے بیمار کی عیادت کی؟"حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا": میں۔" تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ان سب چیزوں کا ایک شخص میں جمع ہونا اسے جنت میں داخل کر دیتا ہے"۔ مسلم نے روایت کیا ہے[(۱)]

۴ -روزے اور صدقہ کا ایک ساتھ ہونا گناہوں کے کفارہ اور جہنم سے بچاؤ کے لیے سب سے مؤثر ہے، خاص طور پر جب اس کے ساتھ رات کی عبادت (قیام اللیل) بھی شامل ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "روزہ ڈھال ہے"۔ متفق علیہ[(۲)] اور حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے کہا: "روزہ ڈھال ہے، صدقہ گناہوں کو بجھاتی ہے، اور نماز قربانی ہے —— یا کہا: دلیل ہے۔ اے کعب بن عجرہ! جنت میں وہ گوشت داخل نہیں ہو گا جو ناجائز ذرائع سے پیدا ہوا ہو، بلکہ وہ آگ کے قریب تر ہے۔ اے کعب بن عجرہ! لوگ چل رہے ہیں: کوئی اپنی جان خرید رہا ہے اور آزاد کر رہا ہے، اور کوئی اپنی جان بیچ رہا ہے اور ہلاک کر رہا ہے)"۔ اسے احمد نے روایت کیا ہے،[(۳)] حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے آگ کا ذکر کیا اور اپنے چہرے کو پھیر لیا اور آگ سے پناہ مانگی، پھر آگ کا ذکر کیا اور دوبارہ پناہ مانگی، پھر فرمایا: "آگ سے بچو چاہے کھجور کے نصف دانے کے برابر ہی صدقہ کر کے ہی کیوں نہ ہو، اور جو وہ بھی نہ پا سکے وہ اچھی بات کو لازم پکڑے"۔ متفق علیہ[(٤)]، اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہا کرتے تھے": اے لوگو! میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میں تم پر ترس کھانے والا ہوں، رات کی تاریکی میں نماز پڑھو تاکہ قبر کی تنہائی کا مقابلہ کر سکو، دنیا میں روزہ رکھو تاکہ قیامت کے دن کی گرمی سے بچ سکو، اور صدقہ دو تاکہ ایک مشکل دن سے بچاؤ ہو، اے لوگو! میں تمہارا خیر خواہ ہوں، میں تم پر ترس کھانے والا ہوں"۔ اسے احمد نے الزہد میں روایت کیا ہے[(٥)]۔

۵ -روزے میں ضرور کچھ کمی یا نقص آتا ہے، اور ہو سکتا ہے کہ صدقہ اس کمی اور نقص کو پورا کر دے[(٦)]؛ لہٰذا کوشش کرو، اللہ تمہیں سلامت رکھے، کہ اپنی جان کی طاقت کے مطابق نیکی اور احسان کے راستے میں

---

(1) اسے مسلم (١٠٢٨) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے بخاری (١٨٩٤) اور مسلم (١١٥١) نے روایت کیا ہے۔

(3) اسے احمد (٣٣٢/٢٢) حدیث نمبر (١٤٤٤١) نے روایت کیا، اور البانی نے التعلیقات الحسان علی صحیح ابن حبان (١٧٢٠) میں اسے صحیح قرار دیا۔

(4) اسے بخاری (٦٥٦٣) اور مسلم (١٠١٦) نے روایت کیا ہے۔

(5) اسے احمد نے اپنی کتاب الزھد حدیث (٨٠٣) میں، اور ان کے حوالے سے ابو نعیم نے حلیۃ الأولیاء (١٦٥/١) میں، اور بیہقی نے شعب الإیمان (٤١٦/٥-٤١٧) میں روایت کیا ہے۔

(6) دیکھیں : لطائف المعارف از ابن رجب، صفحہ (١٦٦)۔

خرچ کرو، اور اللہ کے حکم کی پیروی کرو تاکہ وقت گزرنے سے پہلے خرچ کر سکو۔ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ وَأَنفِقُوا مِن مَّا رَزَقْنَاكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِيَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ فَيَقُولَ رَبِّ لَوْلَا أَخَّرْتَنِي إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ فَأَصَّدَّقَ وَأَكُن مِّنَ الصَّالِحِينَ ۞ وَلَن يُؤَخِّرَ اللَّهُ نَفْسًا إِذَا جَاءَ أَجَلُهَا ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ترجمہ: (اور جو کچھ ہم نے تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں) اس سے پہلے خرچ کرو کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے تو کہنے لگے اے میرے پروردگار مجھے تو تھوڑی دیر کی مہلت کیوں نہیں دیتا ؟ کہ میں صدقہ کروں اور نیک لوگوں میں ہو جاؤں۔ ۞ اور جب کسی کا مقررہ وقت آجاتا ہے پھر اسے اللہ تعالی ہر گز مہلت نہیں دیتا اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے اللہ تعالی بخوبی باخبر ہے)۔ [سورۃ المنافقون: ۱۱-۱۰]۔

اور ایک بات جس پر زور دینا ضروری ہے کہ اپنی صدقات اور زکوۃ صرف امین ہاتھوں اور معتبر، واضح شدہ اداروں کو دیں؛ کیونکہ ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات اور عطیات کو مشکوک اداروں کے لیے جمع کرتے ہیں، لہذا ان سے محتاط رہیں تاکہ آپ کا مال غیر شرعی مصارف پر نہ صرف کیا جائے یا ایسے کاموں میں استعمال نہ ہو جو بندوں اور ملک کے لیے نقصان دہ ہوں، واللہ اعلم۔

اور اللہ کے نبی ﷺ پر درود و سلام ہو اور ان کے آل و صحابہ پر بھی۔

☆☆☆

سبق نمبر 13: زکوٰۃ کا حکم اور اس کے وجوب کی شرائط

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو سارے جہانوں کا رب ہے، اور سلام ودرود ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہلِ بیت اور صحابہ پر ہو۔ اما بعد:

○ زکوٰۃ اسلام کے فرائض میں سے ایک فرض عبادت ہے، اور یہ دو گواہیوں اور نماز کے بعد اسلام کے اہم ارکان میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ [سورۃ البقرہ: ۴۳] ترجمہ: (اور نمازوں کو قائم کرو اور زکوٰۃ دو) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ سورۃ [التوبہ: ۱۰۳] ترجمہ: (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجیے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں)، اور نبی ﷺ نے فرمایا: "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر قائم ہے: لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت، نماز قائم کرنا، زکوٰۃ دینا، حج کرنا، اور رمضان کے روزہ رکھنا"۔ متفق علیہ (۱)

اور جب نبی ﷺ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجا تو وصیت فرمائی: "انہیں شہادتِ لا الہ الا اللہ اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں کی دعوت دو، اگر وہ اس پر عمل کریں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ نے ان پر فرض کیا ہے کہ روزانہ دن اور رات میں پانچ نمازیں قائم کریں، اگر وہ اس پر بھی عمل کریں تو انہیں آگاہ کرو کہ اللہ نے ان پر مال میں زکوٰۃ فرض کی ہے، جو ان کے امیروں سے لی جائے گی اور ان کے غریبوں کو دی جائے گی"۔ (متفق علیہ) (۲)

○ اور مسلمانوں نے اس کے فرض ہونے پر اتفاق کیا ہے (۳)۔

○ جو شخص زکوٰۃ کے فرض ہونے کو جھٹلاتا ہے، خاص طور پر اگر وہ اسلامی ملک میں پیدا ہوا ہو، وہ کافر ہے؛ کیونکہ اس نے کتابِ اللہ، سنتِ نبی ﷺ اور امت کے اجماع کو جھٹلایا ہے۔ اور جو جان بوجھ کر نہیں بلکہ جہالت کی وجہ سے زکوٰۃ کے فرض ہونے کو انکار کرے، چاہے وہ اسلام میں نیا ہو یا کسی دور دراز کے دیہات میں پلا ہو، اسے زکوٰۃ کے فرض ہونے کی تعلیم دی جائے اور اس پر کفر کا حکم نہ دیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ

---

(1) اسے بخاری (8) اور مسلم (16) نے روایت کیا ہے، اور مسلم کی روایت کے الفاظ ہیں، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے۔

(2) اسے بخاری (1395) اور مسلم (19) نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، اور اس قول "صدقة في أموالهم" کا مطلب ہے: ان کے مال میں زکوٰۃ فرض ہے۔

(3) حوالہ: المغنی — (2/427)۔

حَتّٰى نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا﴾[سورۃ الاسراء: ۱۵] ترجمہ: (اور ہماری سنت نہیں کہ رسول بھیجنے سے پہلے ہی عذاب کرنے لگیں) اگر اس کے بعد بھی وہ زکوٰۃ کے فرض ہونے سے انکار کرے تو اس پر کفر کا حکم ہوگا۔

❍ جو شخص زکوٰۃ ادا کرنے سے منع کرتا ہے، چاہے وہ اس کے فرض ہونے کا اعتقاد رکھتا ہو، وہ بڑے گناہوں میں سے ایک گناہ کا مرتکب اور سخت سزا کا مستحق ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص سونا یا چاندی کا مالک ہو اور اس کا حق ادا نہ کرے، قیامت کے دن اس کے ہاتھوں سے آگ کی تختیاں نکلیں گی، اور ان کو جہنم کی آگ میں گرم کیا جائے گا، اور اس کے پہلو، ماتھا اور پیٹھ کو آگ سے جلایا جائے گا، جب بھی وہ سرد ہوں گی، دوبارہ اسی طرح اسے دیا جائے گا، اور یہ عذاب ایک ایسے دن تک جاری رہے گا جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے درمیان فیصلہ کرے گا، پھر وہ اپنا راستہ دیکھے گا، یا جنت کی طرف یا جہنم کی طرف"۔ (مسلم شریف) [۱] یہ بات اسلام سے باہر نکلنے کا سبب نہیں بنتی، کیونکہ حدیث کے آخر میں فرمایا گیا: "پھر وہ اپنا راستہ دیکھے گا، یا جنت کی طرف یا جہنم کی طرف، اگر وہ کافر ہوتا تو اس کا جنت کی طرف کوئی راستہ نہ ہوتا"۔ ایسے موقع پر امام اس سے زکوٰۃ زبردستی لے گا اور اسے روکنے پر سزا دے گا تاکہ وہ منع کرنے سے باز آئے۔

زکوٰۃ بلند حکمتوں اور نیک مقاصد کے ساتھ مشروع کی گئی ہے، جن میں سے:

1- زکوٰۃ ادا کرنا اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اس نے مسلمان کو مال کی نعمت سے نوازا، اور یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے حکم کی پیروی بھی ہے۔

2- زکوٰۃ مال کی صفائی اور افزائش کا باعث بنتی ہے اور اس میں برکت پیدا کرتی ہے، اور اسے آفات اور فساد سے بچاتی ہے، جیسا کہ فرمایا گیا: "صدقہ مال کو کم نہیں کرتی" (مسلم) [۲]۔

3- زکوٰۃ دینے والے کو کنجوسی اور بخل سے پاک کرتی ہے اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تربیت دیتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُذۡ مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيۡهِمۡ بِهَا﴾ [سورۃ التوبۃ: 103]، ترجمہ: (آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لیجئے، جس کے ذریعے سے آپ ان کو پاک صاف کردیں)۔

---

[1] اسے مسلم (987) نے روایت کیا ہے۔

[2] اسے مسلم (2588) پر ابوہریرہ کے واسطے سے روایت کیا ہے۔

4-زکوۃ سے غریبوں کی مدد ہوتی ہے، اور محتاجوں، بے سہارا لوگوں اور محروموں کی حاجات پوری ہوتی ہے۔

5-زکوۃ سماج میں تعاون، یگانگت اور محبت کو فروغ دیتی ہے، کیونکہ جب امیر بھائی اپنے غریب بھائی کو اپنی زکوۃ دیتا ہے تو اس سے دل میں حسد اور بغض کا زوال ہوتا ہے جو شاید اس کے مال کی دولت کی نعمت پر ہوتا، اور یوں دشمنی ختم ہو کر امن قائم ہوتا ہے۔

6-یہ صدقہ دینے والے کے ایمان کی صداقت کی علامت ہے؛ کیونکہ مال جو نفس کے لیے محبوب ہوتا ہے، اسے اس کا مالک صرف اس چیز کے لیے ہی دیتا ہے جو اسے اس سے زیادہ محبوب ہو۔ اسی لیے اسے صدقہ کہا جاتا ہے؛ کیونکہ دینے والے کا مقصد اللہ کی محبت اور رضامندی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا گیا: "صدقہ دلیل ہے" (مسلم) [١]۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ دینے والا اپنے صدقہ سے اپنے ایمان کی صداقت کا ثبوت دیتا ہے، پس جو صدقہ دیتا ہے اس کے صدقہ سے اس کے ایمان کی صداقت ثابت ہوتی ہے [٢]۔

7-یہ سبب ہے رب کی رضا کا اور خیرات و برکات کے نزول کا؛ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "...اور انہوں نے اپنے مال کی زکوۃ روک نہیں رکھی، لیکن بارش روک دی گئی، اور اگر جانور نہ ہوتے تو ان پر بارش نہ ہوتی"۔ (ابن ماجہ) [٣] یہ ظاہر کرتا ہے کہ اگر وہ اپنی مال کی زکاۃ ادا کریں تو آسمان سے بارش نہیں روکی جاتی۔

8-زکاۃ گناہوں اور خطاوں کا کفارہ ہے؛ جیسا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "صدقات گناہوں کو بجھاتی ہے جیسے پانی آگ کو بجھاتا ہے"۔ (الترمذی) [٤]

اور اس کے علاوہ بھی زکاۃ کے بہت سی حکمت اور فائدے ہیں۔

---

[1] اسے مسلم (223) نے حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

[2] حوالہ: شرح النووی علی صحیح مسلم — (1013) امام نووی کی حدیث کی شرح۔

[3] اسے ابن ماجہ (4019) اور حاکم نے (مستدرک 136/2) میں روایت کیا، اور کہا کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے، ذہبی نے بھی اس کی تصدیق کی، اور البانی نے اسے سلسلہ احادیث صحیحہ (106) میں صحیح قرار دیا۔ یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔

[4] اسے ترمذی (2616) اور ابن ماجہ (3973) نے روایت کیا، اور ترمذی نے کہا کہ یہ حدیث حسن ہے، اور البانی نے اسے صحیح سنن ابن ماجہ میں صحیح کہا ہے۔

زکاۃ واجب ہے اس شخص پر جس میں درج ذیل شرائط موجود ہوں:

1-اسلام: زکاۃ کافر پر واجب نہیں کیونکہ یہ ایک مالی عبادت ہے جس کے ذریعے مسلمان اللہ کے قریب ہوتا ہے، اور کافر کی عبادت قبول نہیں ہوتی جب تک وہ اسلام قبول نہ کر لے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَن تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ﴾ [سورۃ التوبۃ: ٥٤] اگر ان کی عبادت قبول نہیں تو ان پر زکاۃ فرض کرنا بے سود ہے۔

2-آزادی: غلام پر زکاۃ واجب نہیں کیونکہ غلام کے پاس کچھ بھی مستقل ملکیت نہیں ہوتی، جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے وہ اس کے مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔

3-نصاب کی ملکیت: یعنی زکاۃ کے نصاب کی ملکیت مستقل ہو۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے: "نصاب سے کم مال پر صدقہ واجب نہیں، اور نصاب کے لئے پانچ وسق [١]، یا پانچ ذود [٢]، یا پانچ اُوقیہ [٣] ہونا چاہیے"۔ (متفق علیہ) [٤]

اور چونکہ زکاۃ کا حکم فقراء کی مدد کے لیے ہے، اس لیے نصاب کی ملکیت کا خیال کیا جاتا ہے جو غنی ہونے کے لیے معتبر ہو۔ لہٰذا وہ مال جسے خیرات کے لیے وقف کیا گیا ہو یا مسجد کی تعمیر وغیرہ کے لیے دیا گیا ہو، اس پر زکاۃ فرض نہیں کیونکہ یہ مال کسی فرد کی ملکیت نہیں ہوتا۔ اور استقرارِ ملک سے یعنی ملکیت کا مکمل [٥] ہونا مراد ہے؛ کیونکہ ناقص

([1]) وسق: 60 صاع کے برابر ہوتا ہے، اور پانچ وسق 300 صاع۔ اور نبی کریم ﷺ کا صاع دو معتدل (یعنی درمیانے) ہاتھوں کی چار بھرپور چُلوؤں سے پر ہوتا ہے، صاعِ نبوی کی مقدار تقریباً 3 کلو گرام کے برابر ہوتی ہے۔ اور یہ مستقل فتوی کمیٹی کا مقرر کردہ پیمانہ ہے، شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے: صاعِ نبوی کی مقدار (اچھے گیہوں کے لیے) 2.040 کلو گرام متعین کی ہے۔ **ملاحظہ ہو: الشرح الممتع (72/6)**۔

([2]) الذود: تین سے دس اونٹنیوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ یہ مؤنث ہے اس لفظ سے اس کا کوئی واحد نہیں آتا، "خمس ذود" کا مطلب ہے: پانچ اونٹنیاں اسی طرح جس طرح "خمسة أبعرة"، "خمسة جمال"، "خمس نوق" کہا جاتا ہے۔

([3]) الأوقیہ 40 درہم کا ہوتا ہے، تو "خمس أواق" 200 درہم ہوں گے۔

([4]) اسے بخاری (1447) اور مسلم (979) نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

([5]) یہ تمام فقہاء کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔ ابن رشدؒ نے بدایۃ المجتهد (جلد 1، صفحہ 415) میں فرمایا: "جہاں تک زکاۃ کے وجوب کا تعلق ہے، تو اس پر سب کا اتفاق ہے کہ زکاۃ ہر اس مسلمان، آزاد، بالغ، عاقل شخص پر واجب ہے جو مکمل طور پر نصاب کا مالک ہو۔" اور ایسے مال کی مثال، جس پر مکمل قبضہ اور مستقل ملکیت حاصل نہ ہو، یہ ہے کہ: اگر کوئی شخص کسی دوسرے کے لیے ایک لاکھ ریال کی وصیت کرے، پھر جب وہ وصیت کرنے والا فوت ہو جائے، اور جس کے لیے وصیت کی گئی تھی وہ اس وصیت کو ایک سال بعد قبول کرے، تو اس صورت میں اس ایک لاکھ ریال پر نہ تو ورثاء پر زکاۃ واجب ہو گی، اور نہ ہی موصیٰ لہ (جس کے لیے وصیت کی گئی ہو) پر؛ کیونکہ وصیت اُس وقت تک موصیٰ لہ کی ملکیت میں منتقل نہیں ہوتی جب تک وہ اُسے قبول نہ کر لے۔ اور اس پورے سال

ملکیت مکمل نعمت نہیں ہوتی۔ زکاۃ صرف اس مکمل ملکیت پر فرض ہوتی ہے جو کہ ایسی ملکیت ہو جس میں اس کے علاوہ کسی اور کا حق نہ ہو، اور مالک اس میں اپنی مرضی سے خرچ کر سکے اور اس کے فوائد اسے حاصل ہوں۔

4-مال پر سال کا گزرنا (حولان حول): یعنی نصاب پر مالک کے قبضے میں بارہ قمری مہینے گزرنا لازم ہے؛ جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کسی مال پر زکاۃ اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اس پر ایک سال نہ گزر جائے" (أبو داود)[۱]۔ یہ شرط خاص طور پر چوپایوں، تجارت کے مال اور نقد (سونا، چاندی، اور نقدی) پر واجب ہے۔ جبکہ فصلوں اور پھلوں پر سال کا گزرنا شرط نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ [سورۃ الأنعام: ۱٤۱] ترجمہ: (اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو)۔

اور چراگاہ پر منحصر جانور کی پیداوار (نتاج السائمة[۲]) اور تجارت کے منافع، چاہے نصاب تک نہ پہنچیں، ان پر بھی ان کے اصل مال پر سال گزرنے کا اعتبار ہوگا اگر اصل مال نصاب کو پہونچا ہو، واللہ اعلم۔

اور اللہ کے نبی ﷺ پر درود و سلام ہو اور ان کے آل و صحابہ پر بھی۔

☆☆☆

کے دوران نہ تو ورثاء کا ملکیت پر مستقل قبضہ ہوتا ہے، اور نہ ہی موصیٰ لہ کا؛ اس لیے کہ ممکن ہے وہ اسے قبول کر لے، تو یہ مال اس کی ملکیت میں آجائے گا، اور ممکن ہے وہ انکار کر دے، تو یہ مال ورثاء کو منتقل ہو جائے گا۔ پس چونکہ اس مال پر کسی کا مکمل اور مستقر قبضہ نہیں، اس لیے اس پر زکاۃ واجب نہیں ہے۔

[1] اسے ابو داود (1573)، ترمذی (631) (ابن عمر رضی اللہ عنہ سے)، اور ابن ماجہ (1792) (عائشہ رضی اللہ عنہا سے) نے روایت کیا، اور البانی نے اسے إرواء الغلیل (787) میں صحیح قرار دیا۔

[2] السائمة: ان جانوروں کو کہا جاتا ہے جو سال بھر یا زیادہ تر سال خود چر کر گزارہ کرتے ہیں (یعنی ان کو چارہ فراہم نہیں کیا جاتا)۔

سبق نمبر 14: وہ اموال جن پر زکات فرض ہے

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد ﷺ وعلى آله و اصحابه أجمعين، أما بعد:

✿ زکات چار قسم کے مال پر واجب ہے، جو یہ ہیں:

❍ اول: سونا اور چاندی: زکات سونے اور چاندی پر فرض ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۞ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ ۖ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ [سورة التوبة: 34-35]، ترجمہ: (اور جو لوگ سونا چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انہیں دردناک عذاب کی خبر پہنچا دیجئے ۞ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا پھر اس دن ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لئے خزانہ بنا رکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو)۔ اور فرمان باری تعالی: ﴿وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کا مطلب ہے کہ وہ اس کی زکات نہیں دیتے[١]۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کسی کے پاس سونا یا چاندی ہو اور وہ اس کا حق ادا نہ کرے، قیامت کے دن اس کے لئے آگ کی تختیاں تیار کی جائیں گی، اور جہنم کی آگ میں انہیں گرم کیا جائے گا، اور اس سے اس کے پہلو، ماتھا اور پشت کو اس سے جھلسایا جائے گا۔ جب بھی وہ ٹھنڈی ہوں گی، دوبارہ اسی طرح کیا جائے گا، یہ دن اتنا طویل ہو گا جتنا پچاس ہزار سال، یہاں تک کہ اللہ کے بندوں کے درمیان حساب مکمل ہو جائے گا"۔ (صحیح مسلم)۔ [٢]

اور اس دور میں گردش کرنے والے کاغذی سکّوں (نوٹوں) پر بھی سونا اور چاندی کے حکم نافذ ہوتے ہیں۔

سونے کا نصاب : بیس مثقال ہے، جو وزن میں اکیانوے گرام اور (ثلاثة أسباع) سات میں سے تین حصے گرام کے برابر ہے[٣]۔

---

(1) دیکھیں: تفسیر الطبری (۲۱۷/۱۴)۔

(2) مسلم نے روایت کی ہے (۹۸۷)، یہ زکات روکنے والے کے گناہ کے بارے میں ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔

(3) یہ مستقل فتویٰ کمیٹی کا اندازہ ہے، اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ تعالی نے اسے (۸۵ گرام) قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے مجموعہ فتاویٰ (۱۸/۹۳) میں آیا ہے، اور اس میں زیادہ احتیاط ہے۔

چاندی کا نصاب: دو سو درہم چاندی کے، جو وزن میں 595 گرام کے برابر ہے۔اور علماء نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ چاندی کا نصاب دو سو درہم ہے اور سونے کا نصاب بیس مثقال (١)۔

سونے، چاندی اور کاغذی کرنسیوں پر واجب زکات کی مقدار ربع العشر (عشر کا چوتھائی) ہے، یعنی ٢.٥٪ (٢)۔جیساکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ کے بارے میں فرمایا:"وَفِي الرِّقَةِ (٣) رُبُعُ الْعُشْرِ" (یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے (٤))۔اور ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ نبی ﷺ "ہر بیس دینار میں سے آدھا دینار اور ہر چالیس دینار میں سے ایک دینار زکات لیا کرتے تھے۔" (یہ حدیث ابن ماجہ نے روایت کی ہے) (٥)۔

دوسرا: کاروباری مال (عروض تجارت): عروض عرض کی جمع ہے، یعنی وہ تمام چیزیں جو فروخت اور خریداری کے لیے تیار کی گئی ہوں تاکہ منافع حاصل کیا جا سکے، چاہے وہ کسی بھی قسم کی ہوں، جیسے جائداد، جانور، گاڑیاں، کپڑے وغیرہ۔

ان پر زکات واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ [سورۃ البقرہ: 267] ترجمہ: (اے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو)۔علمائے کرام کا عمومی قول ہے کہ اس آیت کا مطلب عروض تجارت کی زکات ہے۔سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ ہمیں حکم دیتے تھے کہ ہم اس مال سے صدقہ دیں جسے ہم بیچنے کے لیے رکھتے ہیں"۔" (یہ حدیث ابو داؤد نے روایت کی ہے (٦))۔یہ قول صحابہ کرام میں

---

(1) دیکھیں: شرح صحیح مسلم للنووی (٧/٤٨)۔

(2) واجب زکات کا اندازہ مال کو چالیس سے تقسیم کر کے کیا جا سکتا ہے، جو رقم نکلے وہ زکات کی مقدار ہے جو ادا کرنی ہوتی ہے۔

(3) الرقۃ: قاف کے تخفیف کے ساتھ، یعنی چاندی اور اس سے بنے درہم، اس کا اصل لفظ "الورق" ہے جس سے واو حذف کر کے "ہ" لگا دیا گیا ہے۔

(4) یہ حدیث البخاری نے روایت کی ہے (١٤٥٤)، جو انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا حصہ ہے (وہ صدقہ کے بارے میں ہے جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انہیں بحرین بھیجتے وقت لکھا تھا)۔

(5) ابن ماجہ (١٧٩١) اور الدارقطنی (١٨٩٦) نے بھی روایت کی ہے، اور شیخ الألبانی نے اسے "إرواء الغليل" (٨١٣) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(6) ابو داود نے روایت کی ہے (١٥٦٢)، اور ابن عبد الهادی نے "تنقيح التحقيق" (٣/٨١) میں کہا ہے کہ اس کی سند حسن غریب ہے۔ابن الملقن نے "البدر المنير" (٥/٥٩٢) میں کہا ہے کہ اس حدیث کی سند اچھی ہے۔

سے ابن عمر، عائشہ، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی طرف منسوب ہے، اور کسی سے ان کی مخالفت معلوم نہیں ہے[1]۔

زکات عروض تجارت پر واجب ہوتی ہے جب ان کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے، اور وہ تجارت کے ارادے سے ہوں، اور منافع حاصل کرنے کے لیے ہوں، چاہے مالکیت خریداری یا تحفہ وصول کرنے سے ہوئی ہو، یا بغیر عمل کے جیسے وراثت سے۔ اور جب کوئی شخص عروض کو خریدنے کے بعد اس کی تجارت کا ارادہ کرے تو اس وقت سے اس کے حول کا آغاز ہوتا ہے۔

جب حول مکمل ہو جائے، تو فقراء کے لئے زیادہ مفید کو مد نظر رکھتے ہوئے عروض کی قیمت کو سونے یا چاندی کے نصاب کے حساب سے شمار کیا جائے، اور فقراء کے لئے مفید زیادہ تر چاندی کا نصاب ہوتا ہے۔ اگر عروض کی قیمت نصاب چاندی تک پہنچ جائے، تو اس پر ربع عشر (۲.۵٪) زکات واجب ہوتی ہے۔ **"اور ان اشیاء کی خریداری کی قیمت کو زکوۃ کے حساب میں معتبر نہیں مانا جائے گا، کیونکہ ان کی قیمت میں اُتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے، بلکہ اعتبار اس وقت کی قیمت کا ہوگا جب پورا سال گزر جائے"۔**

اور جو شخص کسی جائیداد ــــ چاہے زمین ہو یا عمارت یا ان جیسے دیگر ــــ کو تجارت کے مقصد اور منافع کے لیے رکھتا ہے، اس پر زکات واجب ہے جو ہر سال اس کی قیمت کے حساب سے حول پورا ہونے پر ادا کی جائے گی، چاہے اس کی قیمت خریداری کے وقت کے برابر ہو، یا کم ہو یا زیادہ۔ اگر زمین تعمیر کے لیے رکھی گئی ہو، خواہ رہائش کے لیے ہو یا کرائے پر دینے کے لیے، تو ایسی زمین پر زکات واجب نہیں کیونکہ اسے تجارت کے لیے نہیں رکھا گیا۔ اگر زمین کا مالک تجارت کے ارادے میں شک وشبہ کا شکار ہو، یعنی اسے یقین نہ ہو کہ کیا وہ اسے تجارت کے لیے رکھتا ہے یا نہیں، تو ایسی زمین پر زکات واجب نہیں کیونکہ اس نے تجارت کا ارادہ یقینی نہیں کیا۔

اور جو شخص کوئی جائیداد رکھتا ہے اور اسے کرائے پر دیتا ہے، اس پر زکات واجب نہیں کیونکہ یہ تجارتی مال (عروض تجارت) میں شمار نہیں ہوتی۔ زکات صرف کرائے کی رقم پر واجب ہوتی ہے اگر وہ کرایہ اس کے پاس رہ جائے، اور اس پر ایک سال (حول) مکمل ہو جائے، اور وہ نصاب تک پہنچ جائے۔ واللہ اعلم۔

اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہل بیت وصحابہ پر درود وسلام ہو۔ ☆☆☆

---

(1) دیکھیں: "السنن الکبری" للبیھقي (۲۴۸/۴)۔

سبق نمبر 15: باقی وہ اموال جن پر زکات واجب ہے

الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ، أَمَّا بَعْدُ:

زکات کے احکام پہلے دو قسموں پر بیان ہو چکے ہیں، جو کہ: سونا اور چاندی، اور تجارتی سامان ہیں۔ اس سبق میں، ان شاء اللہ، ہم زکات کے باقی واجب اموال کا بیان کریں گے، جو یہ ہیں:

تیسرا: اناج اور پھل:

ان میں زکات کے واجب ہونے کی بنیادی دلیل فرمان باری تعالی ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُم مِّنَ الْأَرْضِ﴾ [سورۃ البقرۃ: ٢٦٧] ترجمہ: (اے ایمان والو اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اور زمین میں سے تمہارے لئے ہماری نکالی ہوئی چیزوں میں سے خرچ کرو)۔

اناج پر زکات واجب ہوتی ہے جب اناج پوری طرح پکا ہو جائے، اور پھلوں پر بھی زکات واجب ہے جب وہ پک کر اچھے کھانے کے قابل ہو جائیں، اور اس میں دو سال کا شرط (حَوْلان) نہیں ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ [سورۃ الانعام: ١٤١] ترجمہ: (اور اس میں جو حق واجب ہے وہ اس کے کاٹنے کے دن دیا کرو)۔

اناج یا پھل میں سے ہر قابل وزن اور ادخار (ذخیرہ اندوزی) پر زکاۃ واجب ہے، چنانچہ ہر قسم کے اناج میں زکاۃ واجب ہوگی چاہے وہ خوراک کے طور پر ہو یا نہ ہو، جیسے گندم، جو، مکئی، چاول، دھنیا، حب الرشاد (Lepidium sativum) کے بیج وغیرہ، جیساکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس پر بارش ہوئی ہو یا چشموں سے پانی ملا یا ہو، تو اس پر دسواں حصہ زکات ہے، اور جس پر آبپاشی کی گئی ہو تو آدھا دسواں حصہ زکات ہے" [بخاری] [١]۔ زکات ہر اُس پھل پر بھی واجب ہے جس کو تول کر جمع کیا جائے، جیسے کھجور اور کشمش؛ جیساکہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

[1] اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے (١٤٨٣)۔

"پانچ وسق سے کم پر صدقہ نہیں" [متفق علیہ] [1]۔ یہ حدیث تولنے (کیل) کے معتبر ہونے پر دلالت کرتی ہے، اور جو چیز ذخیرہ نہیں کی جاتی، اس میں نعمت مکمل نہیں ہوتی کیونکہ وہ بعد کیلئے فائدہ مند نہیں رہتی۔

اور اس کی بنیاد پر، وہ چیزیں جنہیں تول کر نہیں ماپا جاتا اور نہ ذخیرہ کیا جاتا، جیسے پھل اور سبزیاں، ان پر زکات واجب نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لیے اناج اور پھلوں میں دو شرطیں ہیں:

پہلی شرط: نصاب کا پہنچنا، جو کہ اناج میں صفائی کے بعد اور پھلوں میں خشک ہونے کے بعد پانچ وسق کی مقدار ہے۔

وسق کی مقدار: ایک وسق ساٹھ صاع کے برابر ہوتا ہے، اور پانچ وسق تین سو صاع کے برابر ہوتے ہیں۔ صاع نبوی چار بھرے ہوئے درمیانی ہاتھوں کی چُلو برابر ہوتا ہے، اور ایک صاع تقریباً تین کلو گرام کے برابر ہوتا ہے [2]۔

دوسری شرط: زکوٰۃ فرض ہونے کے وقت نصاب کا مالک کا ہونا۔

اناج اور پھلوں میں زکوٰۃ کی واجب مقدار: عشر (دسواں حصہ) ہے اگر پانی بغیر کسی خرچ کے دیا گیا ہو، یعنی اگر پانی بارش یا چشموں کا ہو۔ اگر پانی خرچ کر کے دیا گیا ہو، مثلاً کنوؤں یا جدید آبپاشی کے آلات سے، تو نصف عشر واجب ہے۔ اگر پانی دونوں ذرائع سے دیا گیا ہو (یعنی خرچ کے ساتھ اور بغیر خرچ کے)، اور پانی کی مقدار برابر ہو تو تین چوتھائی عشر دینا چاہیے، اور اگر مقدار مختلف ہو تو زیادہ فائدہ مند پانی کے مطابق زکوٰۃ دی جائے۔

۞ چوتھا: مویشی (بھیڑ بکری اور گائے):

مویشی میں اونٹ، گائے، بکری، اور بھینس گائے میں شامل ہے کیونکہ وہ بھی گائے کی ایک قسم ہے، اور بکری میں (بھیڑ) مینڈھا بھی شامل ہے۔

---

(1) اسے بخاری (۱۴۴۷) اور مسلم (۹۷۹) نے روایت کیا ہے۔

(2) یہ مستقل فتویٰ کمیٹی کا اندازہ ہے، اور شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاع کی مقدار عمدہ گندم کی بنیاد پر دو کلو چالیس گرام (۲٫۰۴۰ کلو گرام) بیان کی ہے، دیکھیں: الشرح الممتع (۶/۷۲)۔

چوپائے جانور پر زکوۃ فرض ہے، جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کوئی بھی اونٹ، گائے یا بھیڑ کا مالک ایسا نہیں جو اپنی زکوۃ ادا نہ کرے، مگر قیامت کے دن اس کا جانور سب سے بڑا اور سب سے تیز ہوگا جو اپنے سینگوں سے اسے مارے گا اور اپنے پنجوں سے روندے گا، جب وہ ختم ہو جائے گا تو پہلے والے دوبارہ اس پر حملہ کریں گے یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان حساب ہو جائے"۔ (مسلم شریف) [١]

حیوانات قربانی (بھیڑ بکری اور گائے) پر زکوۃ کے فرض ہونے کے لیے کچھ خاص شرائط ہیں، جو عام شرائطِ زکوۃ سے مختلف ہیں، اور وہ درج ذیل ہیں:

١ - **حیوانات قربانی کی تعداد شرعی نصاب تک پہنچنی چاہیے**، جو کہ اونٹوں میں پانچ، گائے میں تیس، اور بکری اور بھیڑ میں چالیس ہے۔ اگر کسی کے پاس نصاب سے کم ہوں تو اس پر زکوۃ فرض نہیں ہوتی۔

٢ - **حیوانات کو پورے سال یا اس سے زیادہ چرایا جانا چاہیے**، یعنی وہ چرواہے کے پاس سائمہ ہوں۔ اگر وہ غیر سائمہ ہوں، یعنی پورے سال بندوبست شدہ خوراک پر ہوں تو ان پر زکوۃ فرض نہیں ہوگی۔ اگر وہ نصف سال یا اس سے زیادہ عرصہ بندوبست شدہ خوراک پر ہوں تو بھی زکوۃ نہیں ہوگی، مگر اگر مالک انہیں تجارت کے مقصد سے رکھتا ہو تو پھر ان پر عروضِ تجارت کی زکوۃ واجب ہوگی۔

٣- **جانور نسل اور دودھ کے لیے رکھے جائیں**، نہ کہ کام کرنے کے لیے۔ یعنی اگر جانور کا مالک اسے زمین جوتنے یا بوجھ اٹھانے کے لیے استعمال کرتا ہے تو اس پر زکوۃ نہیں ہوگی، جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے گائے کی زکوۃ کے بارے میں فرمایا: "جو جانور کام کے لیے ہیں ان پر زکوۃ واجب نہیں"۔ (ابو داود) [٢]۔ لیکن اگر جانور کرایہ پر دینے کے لیے رکھے گئے ہوں تو زکوۃ اس سے حاصل شدہ کرایہ پر واجب ہوگی جب اس پر سال مکمل ہو جائے۔

پانچ اونٹوں پر واجب زکوۃ کی مقدار: ایک بھیڑ (جذعة[٣]) یا ایک بکری (ثنية[٤]) ہے۔ دس اونٹوں پر دو بھیڑیں (شاتان) واجب ہیں۔ پندرہ اونٹوں پر تین بکریاں۔ بیس اونٹوں پر چار بکریاں۔ پچیس سے پینتیس اونٹوں

---

(1) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (٩٩٠)۔

(2) اسے ابوداود نے روایت کیا ہے (١٥٧٢) اور اسے شیخ الألبانی نے صحیح سنن ابوداود میں صحیح قرار دیا ہے۔

(3) الجذع: چھوٹی عمر کا بچہ، یعنی وہ بکرہ جو چھ مہینے کا ہو اور ساتویں مہینے میں داخل ہو۔

(4) الثنية: ایک سال کی عمر کا بکرہ، یعنی وہ جو ایک سال کا ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو۔

پر ایک جوان اونٹ (بنت مخاض) جو ایک سال کا ہو اور دوسری سال میں داخل ہو۔ اگر یہ دستیاب نہ ہو تو ابن لبون (مذکر) دیا جا سکتا ہے جو دو سال کا ہو اور تیسری عمر میں داخل ہو۔ چھتیس سے پینتالیس اونٹوں پر ایک (بنت لبون) جو دو سال کا ہو اور تیسری عمر میں داخل ہو۔ پینتالیس سے ساٹھ اونٹوں پر ایک (حقة) جو تین سال کا ہو اور چوتھے سال میں داخل ہو۔ اکسٹھ سے پچھتر اونٹوں پر ایک بھیڑ (جذعة) جو چار سال کی ہو اور پانچویں سال میں داخل ہو۔ چھہتر سے نوے اونٹوں پر دو (بنتا لبون) اونٹ۔ اکیانوے سے ایک سو بیس اونٹوں پر دو اونٹ (حقتان)۔ اگر اونٹوں کی تعداد ایک سو بیس سے زیادہ ہو تو ہر چالیس اونٹوں پر ایک (بنت لبون) اور ہر پچاس اونٹوں پر ایک (حقة) زکوٰۃ میں دیے جائیں گے[۱]۔

گایوں (بقر) کی زکوٰۃ کا حکم: جب کسی کے پاس تیس (30) سے انتیس (39) گائیں ہوں، تو ایک تَبِیع یا تَبِیعَة دینا واجب ہے۔ تبیع وہ بچھڑا ہے جو ایک سال مکمل کر کے دوسرے سال میں داخل ہو چکا ہو، اور تبیعة اس کی مادہ ہے۔ اور چالیس (40) سے انسٹھ (59) گایوں پر ایک مُسِنّة دینا واجب ہے، مسنّة وہ گائے ہے جس کی عمر دو سال مکمل ہو چکی ہو اور وہ تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ اس کے بعد قاعدہ یہ ہے کہ: ہر تیس (30) پر ایک تبیع، اور ہر چالیس (40) پر ایک مسنة۔ یہ قاعدہ یونہی جاری رہے گا، چاہے گایوں کی تعداد جتنی بھی زیادہ ہو[۲]۔

بکریوں (غنم) کی زکوٰۃ کا حکم: جب کسی کے پاس چالیس (40) سے ایک سو بیس (120) بکریاں ہوں، تو ایک بکری واجب ہے، جو قربانی کے قابل ہو۔ اور اگر ایک سو اکیس (121) سے دو سو (200) تک ہوں، تو دو بکریاں واجب ہیں۔ اور اگر دو سو ایک (201) سے تین سو ننانوے (399) تک ہوں، تو تین بکریاں دینا واجب ہے۔ پھر اس کے بعد زکوٰۃ کا حساب یوں مستقر ہو جاتا ہے: ہر ایک سو (100) بکریوں پر ایک بکری۔ یعنی: چار سو (400) بکریوں میں چار بکریاں، پانچ سو (500) میں پانچ بکریاں اور اسی طرح جتنی بھی تعداد ہو[۳]۔

---

[1] اس بات کی دلیل وہ کتاب الصدقة ہے جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کو لکھی جب وہ انہیں بحرین بھیج رہے تھے، اس کو بخاری نے روایت کیا ہے (۱۴۵۴)۔

[2] اس کی دلیل حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یمن بھیجا تو فرمایا کہ: "گائے میں سے ہر تیس پر تبیع یا تبیعہ اور ہر چالیس پر مسنہ کی زکات لی جائے گی"۔ اس کو ابو داود (۱۵۷۶) (لفظ ابو داود کا ہی ہے)، ترمذی (623)، نسائی (2450)، ابن ماجہ (1803) اور احمد (22084) نے روایت کیا ہے، اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن ہے، اور شیخ الألبانی نے إرواء الغليل (795) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

[3] اس کی دلیل بھی وہی کتاب الصدقة ہی ہے جو ابو بکر رضی اللہ عنہ نے انس رضی اللہ عنہ کو لکھی جب وہ انہیں بحرین بھیج رہے تھے تاکہ زکات جمع کریں، اور اسے بخاری نے روایت کیا ہے (۱۴۵۴)۔

تو یہی وہ اموال ہیں جن میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے، یعنی: سونا، چاندی، تجارتی سامان، کھیتی اور پھل، اور مویشیوں (اونٹ، گائے، بکری/بھیڑ)۔ چنانچہ جس کے پاس ان میں سے کوئی مال موجود ہو، اور اس میں زکوٰۃ واجب ہوگئی ہو، تو اسے فوراً زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے، دل سے خوش ہو کر، اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت عطا فرمائے اور جو کچھ اس کے پاس باقی ہے، اسے اس میں بھی خیر اور برکت دے۔ واللہ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، ان کے آل و صحابہ پر۔

☆☆☆

سبق نمبر 16: زکوۃ کے مستحق لوگ

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر، اور ان کے آل و صحابہ کرام پر۔ اَمّا بعد:

بیشک اللہ عزوجل نے اپنی کتاب میں زکوۃ کے مستحقین کو واضح طور پر بیان فرمادیا ہے، اور یہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر فرمایا: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ [سورۃ التوبۃ:60] ترجمہ: (صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے اور ان کے لئے جن کے دل پرچائے جاتے ہوں اور گردن چھڑانے میں اور قرضداروں کے لئے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لئے فرض ہے اللہ کی طرف سے، اور اللہ علم و حکمت والا ہے)۔ اور زکوۃ ان آٹھ قسموں کے سوا کسی اور مصرف میں خرچ کرنا جائز نہیں، جیسے کہ: مسجدوں کی تعمیر مدارس کی عمارت مردوں کو کفن دینا قرآنِ کریم کی اشاعت (وقفِ مصاحف) یا دیگر نیک کاموں میں (جو ان آٹھ اصناف سے باہر ہوں)۔

○ آٹھ اصناف کی وضاحت درج ذیل ہے:

۱۔ الفقراء (فقیر): "فقیر" اُس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس اپنی اور اپنے زیرِ کفالت لوگوں کی بنیادی ضروریاتِ زندگی پوری کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو، یا بہت تھوڑا ہو—— جیسے: کھانے پینے کے لیے مناسب چیزیں نہ ہوں لباس، رہائش، علاج معالجہ وغیرہ میسر نہ ہو یا صرف آدھی ضروریات بھی پوری نہ کر پاتا ہو، مثال: اگر کسی کی سالانہ ضرورت 20 ہزار ریال ہو، لیکن اُس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، یا صرف 5 ہزار ہوں، تو ایسا شخص فقیر کہلائے گا اور اُسے زکوۃ سے مکمل ایک سال کی ضروریات کے برابر دیا جاسکتا ہے۔

۲۔ المساكين (مساکین): "مسکین" اُس شخص کو کہتے ہیں جو فقیر سے کچھ بہتر حالت میں ہو، یعنی: اس کے پاس اپنی ضروریاتِ زندگی کا نصف یا اس سے زیادہ ہو، لیکن مکمل کفایت نہ ہوتی ہو۔ مثال: اگر کسی کی سالانہ ضرورت 20 ہزار ریال ہو اور اس کے پاس 10 ہزار یا 15 ہزار ریال ہوں، تو ایسا شخص مسکین کہلائے گا، اور اُسے زکوۃ سے باقی سالانہ ضرورت پوری کی جاسکتی ہے۔

نوٹ: اگر کوئی شادی کا خواہش مند ہو لیکن اس کے پاس شادی کے اخراجات نہیں، تو اُسے بھی زکٰوۃ دی جا سکتی ہے جتنی کہ معروف اور مناسب حد میں شادی کے اخراجات ہوں—بشرطے کہ اسراف نہ ہو، کیونکہ شادی بھی انسانی ضرورتوں میں شامل ہے۔

۳-زکاۃ پر کام کرنے والے: یعنی وہ لوگ جنہیں امام (حاکم وقت) زکاۃ لینے کے لیے مالداروں کے پاس بھیجتا ہے، اور ان کا کوئی مستقل وظیفہ بیت المال سے نہیں ہوتا۔ اس میں وہ تمام افراد شامل ہیں جو زکاۃ کی وصولی، اس کے اندراج، اس کی حفاظت، اور مستحقین میں تقسیم جیسے کام انجام دیتے ہیں۔ تو امام ان کو ان کی خدمت کے عوض اجرت دے گا، چاہے وہ خود مالدار ہی کیوں نہ ہوں؛ کیونکہ انہوں نے یہ کام انجام دینے کے لیے خود کو فارغ کر رکھا ہوتا ہے۔

۴-تالیفِ قلب والے (المؤلَّفَةُ قلوبُهم): یعنی وہ لوگ جنہیں زکاۃ اس لیے دی جاتی ہے تاکہ ان کے دل اسلام کی طرف مائل ہوں۔ اگر وہ کافر ہوں تو اسلام کی محبت دل میں بٹھانے کے لیے دی جاتی ہے، اور اگر وہ کمزور ایمان والے مسلمان ہوں تو ان کے ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے، یا ان کے قریبیوں کو اسلام کی طرف راغب کرنے کے لیے، یا ان سے تعاون حاصل کرنے کے لیے، یا ان کے شر اور نقصان سے بچنے کے لیے۔ پس ان لوگوں کو زکاۃ سے اتنی رقم دی جائے گی جس سے دلوں کو نرم کرنے کا مقصد حاصل ہو جائے، اور یہ ضرورت کے وقت ہی کیا جائے گا۔

۵-رقاب: رقبة کی جمع ہے، اور اس سے مراد وہ مسلمان غلام یا لونڈی ہے جسے زکاۃ کے مال سے خرید کر آزاد کیا جائے۔ اسی طرح مسلمان قیدی کو بھی زکاۃ کے مال سے دشمنوں سے آزاد کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں نبع قید سے اس کی گردن چھڑانے (آزادی) کا معنی موجود ہے۔

٦ - الغارمون: الغارم کی جمع ہے، اور یہ وہ شخص ہے جس پر قرض ہوتا ہے۔ یہ دو قسم کے ہوتے ہیں:

أ-غارم جو اپنی ضروریات کے لیے قرضدار ہو جاتا ہے، جیسے کہ کوئی اپنے یا اپنے اہل خانہ کے خرچ کے لیے قرض لے، شادی کے اخراجات کے لیے، گھر یا گاڑی خریدنے کے لیے (شرعی طور پر جائز اور بغیر فضول خرچی کے)، بجلی یا پانی کے بل ادا کرنے کے لیے قرض لے، کسی کی چیز کو غلطی سے نقصان پہنچا دیا ہو، یا کاروبار میں نقصان کی وجہ سے قرضدار ہوا ہو۔ ایسا شخص اگر قرض ادا کرنے سے قاصر ہو تو اسے زکاۃ سے قرض کی ادائیگی کے لیے دیا جاتا ہے۔

ب-غارم جو صلح صفائی کے لیے قرضدار ہوا ہو، مثلاً گردو قبائل یا گاؤں والے خون اور مال کے جھگڑے میں ہوں اور کوئی ان کے درمیان صلح کروانے کے لیے اپنی جان ومال کو خطرے میں ڈالے یا قرض لے، تو اس شخص کو بھی اس قرض کی حد تک زکاۃ دی جاتی ہے، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہو۔

٧ - فی سبیل اللہ: اس کا مطلب ہے اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والے رضاکار جو بیت المال سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے۔ ایسے افراد کو زکاۃ سے اتنا دیا جاتا ہے کہ ان کے جہاد کے اخراجات پورے ہو جائیں، چاہے وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ آیت: ﴿وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ [سورۃ التوبہ: 60] کے عمومی مفہوم میں حاجت مند غریب کے حج کے اخراجات بھی شامل ہیں جو فرض حج ادا نہیں کر سکے۔ اس کی دلیل حدیث اُم معقل رضی اللہ عنہا ہے کہ انہوں نے فرمایا: یا رسول اللہ، میرے اوپر حج فرض ہے، اور میرے والد کے پاس ایک کم عمر اونٹنی ہے۔ ابو معقل نے کہا: یہ درست کہہ رہی ہے، لیکن میں نے اسے اللہ کے راستے میں دے دیا۔ تو نبی ﷺ نے فرمایا: "اسے دے دو تاکہ وہ اس پر ہو کر کے حج کر لے، کیونکہ یہ بھی اللہ کے راستے کا کام ہے"۔ (رواہ ابو داود) [١]۔ یہ بات ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی ثابت ہے اور ان کا اس سلسلے میں کوئی مخالف نہیں پایا جاتا[٢]۔

جبکہ مسجد کی تعمیر، علم کی تبلیغ، اللہ کی دعوت اور دیگر نیک کام زیادہ تر علما کے نزدیک اس آیت کے تحت نہیں آتے۔

8-ابن السبیل: وہ مسافر جو اپنے شہر یا وطن سے دور ہو اور اسے سفر جاری رکھنے کے لیے پیسے کی ضرورت ہو، چاہے وہ اپنی منزل کی طرف جا رہا ہو یا کسی دوسرے شہر کا ارادہ رکھتا ہو اور منزل تک پہنچنے سے پہلے اسے مالی مدد چاہیے ہو۔ اسے اتنا دیا جائے گا کہ وہ اپنی مراد کی جگہ تک پہنچ سکے، اور واپس اپنے وطن لوٹ سکے۔

جو لوگ زکاۃ لینے کے اہل نہیں ہیں ان کی چند اقسام ہیں:

١ - امیر اور طاقتور لوگ جو اپنی روزی روٹی خود کما سکتے ہیں، چاہے وہ نوکری کے ذریعے ہو یا کسی اور ذریعہ سے؛ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: "زکات امیر کو نہیں دی جاتی، نہ ہی کسی طاقتور کمائی کرنے والے کو" (ابو داؤد)

---

[1] اسے ابوداود نے روایت کیا ہے (١٩٨٨)، اور امام احمد نے (٢٧١٠٧) پر، اور شیخ البانی نے اسے "إرواء الغليل" (٨٦٩) میں صحیح قرار دیا ہے۔

[2] ملاحظہ ہو: "إرواء الغليل" (٣/٣٧٧)

(۱)۔ لیکن جو لوگ زکات پر کام کرتے ہیں، قرض دار جو صلح کرانے کے لیے زکات لیتے ہیں، اور وہ مجاہدین جو بغیر وظیفہ کے اللہ کے راستے میں لڑتے ہیں، انہیں دیا جائے گہ خواہ وہ امیر ہی کیوں نہ ہوں، جیسا کہ پہلے بیان ہوا۔

۲ - وہ قریبی رشتہ دار جن کی کفالت کرنا مسلمان پر واجب ہے، جیسے والدین، دادا دادی، اولاد (مرد و عورت)، اور ان کے بچے، ان کو زکات دینا جائز نہیں ہے۔ اور بیوی کو بھی زکات دینا جائز نہیں کیونکہ زکات دینے سے ان کا خرچ مسلمان پر واجب نہیں رہے گا، اور اس طرح زکات کا فائدہ براہ راست مسلمان کو پہنچتا ہے، گویا اس نے خود اپنے لیے دیا ہو(۲)۔

اور اگر کوئی شخص اپنے اصول اور فروع کا خرچ اٹھانے سے واقعی عاجز ہو، اور وہ سب فقیر ہوں، تو ایسے شخص کے لیے اُنہیں زکوٰۃ دینا جائز ہے، کیونکہ ایسی حالت میں زکوٰۃ دینے والے کو اپنے مال کی بچت کا فائدہ نہیں حاصل ہو رہا، کیونکہ اُس پر اُن کا خرچ لازم نہیں، لہٰذا وہ زکوٰۃ دے کر اپنے مال کو بچا نہیں رہا۔

بیوی کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنی زکات اپنے شوہر کو دے اگر وہ زکاۃ کے مستحقین میں شامل ہو، تاکہ وہ اس سے اپنے زیرِ کفالت لوگوں کا خرچ کرے؛ کیونکہ شوہر پر ان کی کفالت فرض ہوتی ہے اور یہ خرچہ بیوی پر لازم نہیں ہوتا۔

زکاۃ دینے کا حق سب سے پہلے اُن قریبی رشتہ داروں کو ہے جن کی کفالت زکاۃ ادا کرنے والے پر واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ فرمایا: "غربت والے پر صدقہ دینا صرف صدقہ ہے، اور رشتہ دار پر دینا دو طرح کی عبادت ہے، صدقہ بھی اور صلہ رحمی بھی۔)" سنن النسائی(۳)

---

(1) اسے ابوداود (۱۶۳۳)، نسائی (۲۵۹۸)، امام احمد (۱۷۹۷۲) نے روایت کیا ہے، اور اسے ابن الملقن نے "البدر المنیر" (۷/۳۶۱) میں، اور شیخ البانی نے " صحیح سنن النسائی" (۲۵۹۷) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(2) ابن المنذر نے "الإجماع" (ص ۴۸، ۴۹) میں کہا: "اور اہل علم کا اس پر اجماع ہے کہ زکاۃ والدین اور اولاد کو نہیں دی جاسکتی ایسی حالت میں جب زکاۃ دینے والا ان کے نان ونفقہ کا شرعاً پابند ہو۔ اور ان کا اس پر بھی اجماع ہے کہ آدمی اپنی بیوی کو زکاۃ نہیں دے سکتا کیونکہ اس کا خرچ اس پر واجب ہے، اور بیوی اُس کی مالداری سے غنی شمار کی جاتی ہے"۔ ملاحظہ ہو: الإقناع في مسائل الإجماع ۱/۲۲۳، ۲۲۴۔

(3) اسے نسائی (۲۵۸۲)، امام احمد (۱۶۲۲۷) نے روایت کیا ہے، اور شیخ البانی نے "إرواء الغليل" (۸۸۳) میں حسن قرار دیا ہے۔

۳ - کفار غیر مؤلفین کو زکاۃ دینا جائز نہیں ہے؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "زکاۃ مسلمانوں کے امیروں سے لی جاتی ہے اور ان کے غریبوں پر دی جاتی ہے" (متفق علیہ) [١]، یعنی مسلمانوں کے امیر اور غریبوں کو، نہ کہ دوسروں کو۔ اور زکاۃ کا مقصد مسلمانوں کے غریبوں کو مالدار بنانا اور مسلمانوں کے درمیان محبت و بھائی چارے کو مضبوط کرنا ہے۔

کافر کو عام صدقات میں سے دیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ وہ مسلمانوں کا دشمن نہ ہو اور نہ ہی اس کی طرف سے مسلمانوں پر کوئی ظلم یا جارحیت ہوئی ہو؛ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ لَّا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ لَمْ يُقَاتِلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَلَمْ يُخْرِجُوكُم مِّن دِيَارِكُمْ أَن تَبَرُّوهُمْ وَتُقْسِطُوا إِلَيْهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴾، ترجمہ: (جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں لڑائی نہیں لڑی اور تمہیں جلاوطن نہیں کیا ان کے ساتھ سلوک واحسان کرنے اور منصفانہ بھلے برتاؤ کرنے سے اللہ تعالی تمہیں نہیں روکتا بلکہ اللہ تعالی تو انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔ [سورۃ الممتحنۃ: آیت 8]۔

4- آلِ نبی ﷺ اور ان کے موالی: زکات آلِ نبی ﷺ کو دینا جائز نہیں کیونکہ یہ ان کی عظمت اور شان کے باعث ممنوع ہے۔ آلِ نبی ﷺ میں بنو ہاشم اور بنو المطلب شامل ہیں۔ اسی طرح موالی آلِ نبی ﷺ کو بھی زکات نہیں دی جاتی۔ حدیث میں ابو رافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "صدقہ ہمارے لیے حلال نہیں ہے، اور قوم کے موالی ان کے نفس ہیں" (ابو داؤد) [٢]۔ موالی القوم سے مراد غلام ہیں جنہیں آزاد کیا گیا ہو، اور "من أنفسهم" کا مطلب ہے کہ ان کا حکم ان کے جیسے ہی ہے۔

جس شخص پر زکوۃ فرض ہو، اس پر لازم ہے کہ وہ زکوۃ صرف اہلِ حق کو دے اور اسے ان لوگوں کو دینے میں غفلت نہ کرے جو اس کے مستحق نہیں ہیں۔ اگر زکوۃ غیر مستحق کو دی گئی تو وہ ادا نہیں ہو گی اور اس کا ذمہ دار بھی بری نہیں ہو گا۔ ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہمارے مال کی زکوۃ اس طریقے سے ادا کرنے کی توفیق دے جو اسے پسند ہو، اور اسے ہم سے قبول فرمائے، اور ہمیں بہتر بدلہ دے، واللہ اعلم۔

اللہ تعالی ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور تمام صحابہ پر درود و سلام بھیجے۔ ☆☆☆

---

[1] اسے بخاري (١٣٩٥)، مسلم (١٩) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجنے سے متعلق حدیث کے ضمن میں۔

[2] اسے ابوداود (١٦٥٠)، ترمذي (٦٥٧) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ ترمذی کے ہیں، نیز حاکم (١/٤٠٤) نے روایت کیا۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا، اور حاکم نے کہا: یہ صحیح ہے شیخین کی شرط پر لیکن انہوں نے روایت نہیں کیا، اور ذہبی نے اس سے اتفاق کیا، نیز شیخ البانی نے "إرواء الغليل" (٨٨٠) میں صحیح قرار دیا ہے۔

سبق نمبر17: زکوٰۃ کے معاصر مسائل

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمدﷺ وعلى آله وصحبه، أما بعد:

☼ اس دور میں زکوٰۃ سے متعلق کئی مسائل سامنے آئے ہیں، جن میں سے کچھ یہ ہیں:

○ **نقدی کی زکوٰۃ** کاغذی کرنسی ایک خود مختار نقدی حیثیت رکھتی ہے، اور اس کا حکم سونا اور چاندی کے برابر ہے۔ ہر ملک کی کرنسی کو ایک منفرد قسم سمجھا جاتا ہے، اور اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اس پر دونوں قسم کا سود (ربا الفضل اور ربا النسیئہ) بھی لاگو ہوتا ہے کیونکہ اس کی قیمت سونا اور چاندی کی طرح ہوتی ہے۔ کاغذی پیسے پر زکاۃ کی واجب مقدار چوتھائی عشر یعنی 2.5٪ ہے، چاہے اسے کسی بھی مقصد کے لیے جمع کیا گیا ہو۔ خواہ وہ تجارت کے لیے ہو، شادی کے لیے، مکان خریدنے کے لیے یا دیگر ضروریات کے لیے، اگر اس پر ایک سال گزر جائے اور نصاب پورا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔

نقدی کرنسی کا نصاب: اس کی کم از کم مقدار وہ ہے جو سونے یا چاندی کے نصاب میں سے کم از کم نصاب کے برابر ہو۔ عام طور پر چاندی کا نصاب سونے کے نصاب سے کم قیمت کا ہوتا ہے، اس لیے کاغذی پیسے کا نصاب چاندی کے گرام کی قیمت کو ریال میں دیکھ کر نکالا جاتا ہے۔ چاندی کا نصاب 595 گرام ہوتا ہے، اس قیمت کو چاندی کے گرام کی موجودہ قیمت سے ضرب دے کر جو رقم نکلے وہ کاغذی پیسے کا نصاب ہو گی۔ یعنی اگر آپ کے پاس کاغذی پیسے کی کل مالیت اس رقم کے برابر یا اس سے زیادہ ہو تو آپ پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔

جاری کھاتے کے رقم کی زکات: جو نقدی رقم بینک کے جاری کھاتے میں جمع ہوتی ہے، وہ اصل میں بینک کو گراہک کا قرضہ ہوتی ہے۔ اور یہ بات معروف ہے کہ بینک کبھی بھی قرض کی واپسی پر قادر ہوتا ہے؛ جب بھی گراہک چاہے پورا یا جزوی رقم نکال سکتا ہے۔ اگر قرضہ کسی ایسے بینک کو دیا گیا ہو جو "ملیء باذل" یعنی ہمیشہ واپسی پر قادر ہو، تو فقہاء کے معتبر قول کے مطابق اس قرض پر قرض دہندہ یعنی کو گراہک پر ہر سال زکات واجب ہوتی ہے بشرطیکہ رقم نصاب تک پہنچ جائے۔ لہذا، جاری کھاتے میں موجود رقم پر زکات واجب ہوتی ہے اگر وہ نصاب تک پہنچ جائے اور ایک سال (حول) مکمل ہو جائے۔

زکات ادا کرنے میں قمری حول کا اعتبار: زکات کے حول کے لیے معتبر سال ہجری اور قمری مہینے ہیں، اور عیسوی سال یا غیر قمری مہینوں کو قبول نہیں کیا جاتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَسۡـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلۡأَهِلَّةِۖ قُلۡ هِيَ

مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ﴾[سورۃ البقرۃ:189] ترجمہ: (لوگ آپ سے چاند کے بارے میں سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں (کی عبادت) کے وقتوں اور حج کے موسم کے لئے ہے)۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "یہ آیت ظاہر کرتی ہے کہ یہ (قمری مہینے) لوگوں کے لیے مقرر کردہ اوقات ہیں، اور یہ تمام امور میں عام ہے"[1]۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: ﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ [سورۃ التوبۃ: 36] ترجمہ: (مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ کی ہے، اسی دن سے جب سے آسمان وزمین کو پیدا کیا ہے ان میں سے چار حرمت وادب کے ہیں)۔ ابو عبد اللہ القرطبیؒ رحمہ اللہ نے کہا: "یہ آیت واضح کرتی ہے کہ عبادات اور دیگر احکام کا انحصار ان مہینوں اور سالوں پر ہے جو عربوں کے لیے معروف ہیں، نہ کہ ان مہینوں پر جو عجمیوں، رومیوں یا قبطیوں کے نزدیک ہیں"[2]۔

ماہانہ تنخواہ کی زکاۃ: اگر کسی ملازم کی پہلی تنخواہ پر ایک سال (حول) مکمل ہو جائے تو اسے اپنی جمع شدہ تنخواہوں کو دیکھنا چاہیے جو رقم نصاب تک پہنچ چکی ہے یا اس سے زیادہ ہے، اور اس پر زکاۃ ادا کرے۔ جس رقم پر سال مکمل ہو چکا ہو اس کی زکاۃ واجب ہے، اور جس رقم پر سال مکمل نہ ہوا ہو اس کی زکاۃ عجلتاًادا کی جاسکتی ہے۔ زکاۃ کو ایک سال یا دو سال کی عجلت سے ادا کرنا جائز ہے[3]، اور یہ طریقہ لوگوں کے لیے آسان ہے۔

جو کوئی چاہتا ہے کہ وہ اپنے حق کی مکمل جانچ پڑتال کرے اور صرف وہی زکات ادا کرے جو اس پر واجب ہے، تو اس پر لازم ہے کہ وہ اپنی آمدنی کے لیے ایک حسابی جدول بنائے جس میں ہر رقم کو اس طرح مختص کرے کہ اس پر ایک سال مکمل ہونے کے بعد اس کی علیحدہ زکات نکالے۔ یعنی ہر رقم کے حصول کی تاریخ سے ایک سال مکمل ہونے پر اس کی زکات الگ سے ادا کرے۔

تنخواہوں کی طرح حکم ہر اس شخص کا ہوگا جو مختلف اوقات میں مختلف رقمیں رکھتا ہے، اور یہ رقمیں ایک دوسرے سے پیدا شدہ یا متعلقہ نہیں بلکہ آزاد ہوں —— جیسے وراثت، تحفہ، کرایہ، یا دیگر ذرائع سے حاصل کی گئی رقم۔

---

(1) مجموع الفتاوی (۲۵/۱۳۳، ۱۳۴) دیکھیں۔

(2) تفسیر القرطبیؒ (۸/۱۳۳) دیکھیں۔

(3) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے اپنی زکوٰۃ وقت سے پہلے ادا کرنے کی اجازت مانگی، تو آپ ﷺ نے انہیں اس کی اجازت دے دی"۔ اسے ابوداؤد (۱۶۲۴) نے روایت کیا ہے، اور ابو عبید نے کتاب "الأموال" (۱۸۸۵) میں ذکر کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ہم نے ان سے دو سال کی زکوٰۃ مقدم لے لی ہے"۔ علامہ البانی نے اسے "إرواء الغليل" (۸۵۷) میں حسن قرار دیا ہے۔

سروس کے اختتام پر ملنے والی بونس کی زکات: سروس کے اختتام پر ملنے والی بونس ایک مالی حق ہے جسے حکومت نے مخصوص شرائط کے تحت مقرر کیا ہے، اور یہ حق مالکِ کار پر واجب ہے کہ وہ ملازم کی خدمت کے ختم ہونے پر اسے ایک مرتبہ کی نقد رقم ادا کرے۔

اس بونس سے متعلق ملازم پر قبضے سے پہلے زکات واجب نہیں ہوتی، کیونکہ زکات کے وجوب کی شرط مکمل ملکیت ہے، جو کہ اس بونس پر قبضے سے پہلے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ بونس مالکِ کار کی ملکیت میں رہتی ہے جب تک کہ ملازم کا معاہدہ ختم نہ ہو جائے۔ اس لیے ملازم کے پاس قبضے سے پہلے یہ اس کی ملکیت نہیں ہوتی۔ اگر ملازم نے بونس حاصل کر لیا اور اس پر یا اس کے بعض حصے پر ایک مکمل قمری سال (حول) گزر گیا اور یہ نصاب تک پہنچ گئی، تو اس پر زکات واجب ہو جائے گی، واللہ أعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے آلِ واصحاب پر درود وسلام بھیجے۔ آمین۔

☆☆☆

سبق نمبر 18: اعتکاف

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمدٍ وآله وصحبه اجمعين، أما بعد:

○ اعتکاف رمضان کے مہینے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عام سنتوں میں سے ہے:

شرعی اعتبار سے، اعتکاف کا مطلب ہے ایک قابل تمیز مسلمان کا اللہ عزوجل کی عبادت کے لیے مسجد کو لازم پکڑنا۔

اور اعتکاف کے مشروع (جائز و مستحب) ہونے پر قرآن و سنت سے دلائل موجود ہیں، جیسے: اللہ تعالیٰ کا فرمان: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾، ترجمہ: (اور تم اپنی بیویوں سے مباشرت نہ کرو، جبکہ تم مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو) [البقرۃ: 187] اور اسی طرح فرمایا: ﴿وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ﴾، ترجمہ: (اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو حکم دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں، اعتکاف کرنے والوں، اور رکوع و سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک رکھو) [البقرۃ: 125] اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرہ کا اعتکاف کیا کرتے تھے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی روح قبض کر لی، پھر آپ کے بعد آپ کی ازواج مطہرات نے بھی اعتکاف کیا"۔ (متفق علیہ)۔[۱]

اور تمام مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ اعتکاف مشروع اور ایک مسنون عمل ہے، اور یہ فرض نہیں ہے، اِلّا یہ کہ کوئی شخص اسے اپنے اوپر (نذر مان کر) لازم کر لے، تو اس صورت میں واجب ہو جاتا ہے[۲]۔

اور اعتکاف ایک عبادت ہے جس کی صحت (درستگی) کے لیے کچھ شرائط ضروری ہیں، جن کے بغیر اعتکاف صحیح نہیں ہوتا۔ یہ شرائط درج ذیل ہیں:

۱۔ معتکف کا مسلمان، عاقل اور ممیِّز (یعنی سمجھدار) ہونا ضروری ہے: پس کافر، مجنون (پاگل) اور غیر ممیِّز بچہ کا اعتکاف درست نہیں ہے۔ البتہ بلوغ (بالغ ہونا) اور مرد ہونا اعتکاف کے لیے شرط نہیں ہیں؛ چنانچہ اگر نابالغ بچہ

---

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ۲۰۲۶) اور امام مسلم نے بھی (حدیث نمبر: ۱۱۷۲)۔

[2] ملاحظہ ہو: الإجماع لابن المنذر، صفحہ (۵۰)۔

سمجھدار ہو (یعنی ممیِّز ہو)، تو اس کا اعتکاف درست ہے، لیکن اس صورت میں ولی کی نگرانی ضروری ہے تاکہ وہ اس کی حفاظت کرے۔ اسی طرح عورت کا اعتکاف بھی صحیح ہے، جیسا کہ نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات نے آپ ﷺ کی وفات کے بعد اعتکاف کیا تھا۔ تاہم عورت کے اعتکاف کے لیے شرط یہ ہے کہ اس سے فتنے کا اندیشہ نہ ہو، اگر فتنے کا اندیشہ ہو تو اسے اعتکاف کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

۲-نیت: اعتکاف کے صحیح ہونے کے لیے نیت کرنا ضروری ہے، اس کی دلیل نبی ﷺ کا فرمان ہے: "بے شک تمام اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں، اور ہر شخص کو وہی ملے گا جس کی اُس نے نیت کی" (بخاری ومسلم) [(۱)]۔ لہٰذا معتکف کو چاہیے کہ وہ اعتکاف کی نیت کرے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے اور اس کی عبادت کرنے کے لیے مسجد میں ٹھہرا ہے۔

۳-اعتکاف مسجد میں ہونا شرط ہے: اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ [البقرۃ: 187] یعنی: اور تم حالتِ اعتکاف میں مسجدوں میں ہو۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا عمل بھی یہی تھا: آپ ﷺ ہمیشہ مسجد میں اعتکاف فرماتے تھے، اور کبھی بھی کسی اور جگہ اعتکاف کرنے کا ذکر نہیں ملتا۔ اور یہ کسی بھی مسجد میں جائز ہے، کیونکہ آیت میں عموم ہے: ﴿فِي الْمَسَاجِدِ﴾، یعنی تمام مساجد میں۔

۴-وہ مسجد ہونا جہاں جماعت کے ساتھ نمازیں ادا کی جاتی ہوں: اگر اعتکاف کی مدت میں کوئی فرض نماز آتی ہو، اور معتکف ان لوگوں میں سے ہو جن پر جماعت کے ساتھ نماز واجب ہے، تو لازم ہے کہ وہ ایسی مسجد میں اعتکاف کرے جہاں پنج وقتہ نماز باجماعت ادا کی جاتی ہو۔ کیونکہ اگر مسجد میں جماعت نہ ہو: تو یا تو معتکف جماعت کو ترک کرے گا (جو کہ واجب ہے)، یا بار بار جماعت کے لیے مسجد سے نکلے گا، حالانکہ اس سے بچا جا سکتا ہے، اور بار بار نکلنا اعتکاف کے مقصود کے خلاف ہے۔ البتہ جن پر جماعت واجب نہیں، جیسے: عورت، یا کوئی شرعی عذر والا شخص، تو وہ کسی بھی مسجد میں اعتکاف کر سکتا ہے، خواہ وہاں جماعت ہو یا نہ ہو۔ اور اگر مرد کے اعتکاف کے دوران جمعہ آ جائے تو جامع مسجد میں اعتکاف افضل ہے، لیکن یہ شرط (لازمی) نہیں ہے۔

۵-حدثِ اکبر (بڑی نجاست) سے پاک ہونا: یعنی معتکف جنابت، حیض یا نفاس کی حالت میں نہ ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ: جنبی، حائض اور نفساء کے لیے مسجد میں ٹھہرنا جائز نہیں۔

---

(1) اسے امام بخاری نے (حدیث نمبر: ۱) اور امام مسلم نے (حدیث نمبر: ۱۹۰۷) حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

روزہ اعتکاف کے لیے شرط نہیں ہے، اس کی دلیل حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ:
حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسولَ اللہ! میں نے زمانۂ جاہلیت میں نذر مانی تھی کہ ایک رات مسجد الحرام میں اعتکاف کروں گا"۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اپنی نذر پوری کرو» (متفق علیہ)[(١)]، اگر روزہ شرط ہوتا، تو رات کا اعتکاف صحیح نہ ہوتا، کیونکہ رات میں تو روزہ نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ اعتکاف اور روزہ دو علیحدہ عبادتیں ہیں، ایک کے لیے دوسری کا ہونا لازمی نہیں۔ لیکن اگر اعتکاف روزے کے ساتھ ہو، تو وہ افضل اور زیادہ فضیلت والا ہے۔

اعتکاف ہر وقت مسنون ہے، لیکن سب سے افضل وقت رمضان کے آخری دس دن ہیں؛ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "نبی کریم ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی"۔ اور جو شخص رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف کرنے کا ارادہ رکھے، تو وہ اکیسویں رات کے فجر کی نماز کے بعد اس مسجد میں داخل ہو جہاں اعتکاف کا ارادہ ہے؛ اس کی دلیل بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے: "نبی ﷺ جب اعتکاف کا ارادہ کرتے تو فجر کی نماز پڑھتے، پھر اپنے اعتکاف کی جگہ میں داخل ہوتے"۔ (متفق علیہ)[(٢)]، اور اعتکاف سے خروج رمضان کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد ہوگا۔

اعتکاف کی کم سے کم مدت کی کوئی حد مقرر نہیں، چنانچہ تھوڑی دیر کے لیے بھی اعتکاف درست ہے، کیونکہ ایسی کوئی واضح نص (دلیل) نہیں آئی جو اس کی کم سے کم مدت کو محدود کرتی ہو۔

اعتکاف ایک عبادت ہے جس میں بندہ اپنے رب کی عبادت کے لیے تنہا ہوتا ہے اور دنیاوی تعلقات سے کٹ جاتا ہے۔ اس لیے معتکف کے لیے یہ مستحب ہے کہ وہ عبادت میں مکمل دل جمعی کے ساتھ مشغول رہے، جیسے کہ: نماز کی کثرت، ذکر اللہ، دعاء، قرآن کی تلاوت، توبہ اور استغفار اور دیگر طاعات جو اللہ کے قریب لے جائیں ساتھ ہی اسے چاہیے کہ وہ ان باتوں سے بچے جو اس کے لیے فائدہ مند نہیں، مثلاً بیہودہ گفتگو اور لغو بحث۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کسی شخص کے اچھے اسلام کا ثبوت ہے کہ وہ ایسی بات چھوڑ دے جس کا اس سے کوئی تعلق نہیں"۔ (ترمذی)[(٣)] یہ بات اعتکاف کے مقصد اور اس کی شرعی حکمت کے بالکل خلاف ہے کہ معتکف غیر ضروری باتوں میں پڑے۔

---

(1) اسے امام بخاری نے (حدیث نمبر: ٢٠٣٢) اور امام مسلم نے (حدیث نمبر: ١٦٥٦) روایت کیا ہے۔
(2) اسے امام بخاری نے (حدیث نمبر: ٢٠٣٣) اور امام مسلم نے (حدیث نمبر: ١١٧٢) روایت کیا ہے، اور الفاظ امام مسلم کے ہیں۔
(3) اسے امام ترمذی نے (حدیث نمبر: ٢٣١٧) روایت کیا ہے، اور امام نووی نے الأربعین النوویۃ (صفحہ ٦٤) میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

اعتکاف میں یہ بات دھیان میں رکھی جائے کہ اس کی وجہ سے کسی کے حقوق ضائع نہ ہوں، جیسے والدین، بیوی اور بچوں کے حقوق۔ کیونکہ اعتکاف سنت ہے اور ان حقوق کی ادائیگی فرض ہے، اور فرض سنت پر مقدم ہے۔

معتکف کے لیے جائز ہے کہ وہ مسجد سے اس وقت نکلے جب کوئی ضروری کام ہو، مثلاً: کھانے پینے کے لیے اگر کوئی اس کا خیال نہ رکھے، حاجت کی ادائیگی کے لیے، وضو کرنے کے لیے، غسل جنابت کے لیے۔

معتکف کے لیے جائز ہے کہ وہ لوگوں سے ایسی بات کرے جو فائدہ مند ہو، اسی طرح ان کے حالات پوچھ سکتا ہے، اور اس کے رشتہ دار اور عزیز اس سے ملاقات کر سکتے ہیں اور بات کر سکتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کو وداعی ملاقات کے لیے اپنے معتکف سے باہر نکلے۔ یہ بات حدیث صفیہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہے، جنہوں نے فرمایا: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے، میں رات کو ان سے ملنے گئی اور بات کی، پھر واپس جانے لگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ کھڑے ہو گئے تاکہ مجھے واپس بھیج دیں"۔ (متفق علیہ) (١)۔

معتکف کے لیے جائز ہے کہ وہ مسجد میں کھائے، پیئے، اور سوئے، بشرطیکہ مسجد کی صفائی اور حفاظت کا خیال رکھے۔ مسجد میں خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے، نہ ہی معتکف کے لیے اور نہ ہی کسی اور کے لیے۔ یہ حکم حدیث سے ثابت ہے، جیسا کہ عمرو بن شعیب نے اپنے والد سے، اور والد نے اپنے دادا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں خرید و فروخت سے منع فرمایا"۔ (ابوداؤد) (٢) اسی طرح ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب تم کسی کو مسجد میں خریدتے یا بیچتے دیکھو تو کہو: اللہ تمہارے کاروبار کو نفع نہ دے"۔ (ترمذی) (٣)

○ اعتکاف اس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کوئی شخص بغیر ضرورت کے جان بوجھ کر مسجد سے باہر نکل جائے، چاہے اس کا وقت تھوڑا ہی کیوں نہ ہو؛ جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "نبی ﷺ اعتکاف میں ہوتے تو صرف ضرورت کے لئے گھر میں داخل ہوتے تھے" (متفق علیہ) (٤)۔ کیونکہ مسجد میں قیام اعتکاف کا رکن ہے اور باہر نکلنے سے یہ رکن ضائع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اعتکاف جماع سے بھی ٹوٹ جاتا ہے، چاہے وہ رات کا وقت ہو یا جماع

---

(1) اسے امام بخاری نے (حدیث نمبر: ٢٠٣٥) اور امام مسلم نے (حدیث نمبر: ٢١٧٥) روایت کیا ہے۔

(2) اسے امام ابوداؤد نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ١٠٧٩)، اور انہی کے الفاظ نقل کیے گئے ہیں، نیز امام ترمذی نے بھی (حدیث نمبر: ٣٢٢) روایت کیا ہے، اور فرمایا: یہ حدیث حسن ہے، اور امام البانی نے اسے صحیح سنن أبي داود میں حسن قرار دیا ہے۔

(3) اسے امام ترمذی نے (حدیث نمبر: ١٣٢١) روایت کیا ہے، اور امام البانی نے اسے إرواء الغليل (حدیث نمبر: ١٢٩٥) میں صحیح قرار دیا ہے۔

(4) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ٢٠٢٩)۔

مسجد کے باہر کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ﴾ ترجمہ: (اور عورتوں سے اس وقت مباشرت نہ کرو جب کہ تم مسجدوں میں اعتکاف میں ہو) [سورۃ البقرہ:۱۸۷]۔اور جماع کے برابر اس کا بھی حکم ہے کہ کوئی بغیر دخول کے مباشرت یا استمناء کے ذریعہ انزال کرے تو اس سے بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا۔

یہ اعتکاف کے کچھ اصول ہیں جن کا معتکف کو خیال رکھنا چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہو اور نبی ﷺ کی سنت کی پیروی کرے، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے اہل بیت و صحابہ پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔ آمین۔

☆☆☆

سبق نمبر 19: رمضان کا آخری عشرہ

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على نبينا محمد ﷺ وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد:

❍ اللہ تعالی نے بعض اوقات کو بعض پر فضیلت دی ہے، جیسے کہ بعض جگہوں کو بعض پر فضیلت دی ہے، اور اپنے بندوں کے لیے طاعات میں اجتہاد کرنا واجب کیا تاکہ وہ ثواب حاصل کریں اور درجات بلند ہوں۔ اور ہم اب رمضان کے آخری عشرے کے قریب پہنچ چکے ہیں، جو رمضان کے باقی دنوں سے بہت سی خصوصیات اور فضائل کی وجہ سے ممتاز ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

1- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اس قدر محنت کرتے تھے جتنا کہ باقی مہینے اور سال کی راتوں میں نہیں کرتے تھے۔ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں ایسی محنت کرتے تھے جو وہ باقی دنوں میں نہیں کرتے تھے"۔ (مسلم شریف) (١)

2- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عشرہ داخل ہوتا تو اپنی عورتوں سے الگ ہو جاتے اور اپنی راتیں اللہ کی عبادت میں گزار دیتے، جیسے نماز اور ذکر۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: "جب عشرہ داخل ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لباس کو مضبوطی سے باندھ لیتے، اپنی رات کو زندہ رکھتے اور اہل خانہ کو بھی جگاتے تھے"۔ (متفق علیہ) (٢)

3- مسلمانوں کے لیے سنت ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو اس عشرے میں نماز اور عبادت کے لیے جگائیں اور ان کی ترغیب دیں؛ جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے، جیسا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان میں آیا ہے۔

4- نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے۔ اعتکاف کا مطلب ہے مسجد میں ٹھہرنا اور اللہ کی عبادت کرنا، جیسے نماز پڑھنا، قرآن کی تلاوت اور ذکر کرنا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرتے تھے یہاں تک کہ اللہ نے انہیں بلا لیا، پھر ان کی بیویوں نے بھی ان کے بعد اعتکاف کیا"۔ (متفق علیہ) (٣)

---

(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر 1175)۔

(2) اسے امام بخاری (حدیث نمبر 2024) اور مسلم (حدیث نمبر 1174) نے روایت کیا ہے۔

(3) اسے امام بخاری (حدیث نمبر 2026) اور مسلم (حدیث نمبر 1172) نے روایت کیا ہے۔

5-رمضان کے آخری عشرے کی ایک خاص بات یہ ہے کہ اس میں شبِ قدر بھی شامل ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے درمیانے عشرے میں اعتکاف کیا کرتے تھے، ایک سال انہوں نے اعتکاف کیا یہاں تک کہ جب رات اکیسویں ہوئی، جو اس اعتکاف سے نکلنے کی صبح تھی، آپ نے فرمایا: "جو میرے ساتھ اعتکاف کرے، وہ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرے، اور مجھے یہ رات دکھائی گئی تھی لیکن پھر مجھے اسے بھلا دیا گیا، اور میں نے خود کو اس رات صبح کو پانی اور مٹی میں سجدہ کرتے ہوئے دیکھا، لہٰذا اسے رمضان کے آخری عشرے میں تلاش کرو، اور اسے ہر وتر کی رات میں تلاش کرو"۔ "تو اس رات آسمان سے بارش ہوئی، اور مسجد کھجور کی شاخوں (یعنی چھپر) سے بنی ہوئی تھی، تو مسجد میں پانی ٹپکنے لگا، پس میری آنکھوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ کی پیشانی مبارک پر پانی اور کیچڑ کا اثر تھا، اور یہ واقعہ اکیسویں کی صبح کا تھا۔"۔ (متفق علیہ) (1)

اپنی پوری کوشش کرو کہ اس عشرے میں سخت محنت اور لگن سے عبادت کرو، شاید تم شبِ قدر کو پا سکو، جس سے تمہیں عظیم ثواب اور اجر ملے گا۔ اپنے رب کی طرف رجوع کرو اور خالص دل سے اس کے لیے عمل کرو، کیونکہ بندہ حکم دیا گیا ہے کہ نیکیوں کی تلاش کرے اور نیک عمل میں محنت کرے۔ لہٰذا اس مہینے کے باقی دنوں میں جلدی کرو اور جو وقت باقی ہے اسے ضائع نہ ہونے دو، شاید اس طرح وہ وقت جو تمہارے عمر سے گزر گیا ہے، اس سے تمہیں فائدہ ہو جائے۔

اے روزے داروں! تم نے روزے کے مہینے کا بڑا حصہ پورا کر لیا ہے، اور اب بس چند راتیں اور دن باقی رہ گئے ہیں۔ جو شخص پہلے سے محنت کر رہا ہے، اسے چاہیے کہ اس کو جاری رکھے اور اللہ کا شکر ادا کرے، اور قبولیت کے لیے دعا کرے۔ اور جو کوئی کوتاہی یا غلطی کا شکار ہوا، اسے چاہیے کہ اپنے رب کی طرف توبہ کرے، کیونکہ توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا ہے۔ اور باقی دنوں میں جلدی کرے اور کثرت سے نیک کام کرے، کیونکہ بہت سے لوگ صرف ان دس دنوں میں عبادت کی خواہش رکھتے تھے مگر موت نے انہیں پکڑ لیا اور وہ قبر میں قید ہو گئے، وہ اب نہ نیک اعمال میں اضافہ کر سکتے ہیں، نہ توبہ کر سکتے ہیں۔ اور تم اللہ کی نعمت سے صحت و عافیت کے ساتھ ان دنوں تک پہنچ گئے ہو، اس لیے نیک عمل اور دعا میں محنت کرو، شاید تم اللہ کی رحمت کا کوئی سایہ پا سکو، اور دنیا و آخرت میں خوش نصیب بن جاؤ۔

---

(1) اسے امام بخاری (حدیث نمبر 2027) نے روایت کیا ہے اور یہ انہیں کے الفاظ ہیں، اور مسلم (حدیث نمبر 1167) نے بھی روایت کیا ہے۔

اور کوشش کرو کہ قیام کی نماز امام کے ساتھ رات کے پہلے حصے اور آخری حصے میں ادا کرو، نماز کو طویل کرو، رکوع اور سجدے میں دیر کرو، اپنے رب کے سامنے عاجزی کے ساتھ دعا کرو، اپنی حاجات اسی سے طلب کرو، اس سے عبادت میں مدد اور کامیابی مانگو، اس کے انعامات اور نعمتوں کا شکر ادا کرو، اپنی دعاؤں میں استقامت برتو، اور اپنے رب سے بخشش اور معافی کثرت سے طلب کرو۔ واللہ اعلم۔

اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر رحمت نازل فرمائے اور انہیں سلامتی عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

سبق نمبر 20: شب قدر

تمام تعریفیں اللہ رب دو جہاں کے لئے ہیں، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور تمام صحابہ پر۔ اما بعد:

○ یقیناً اللہ تعالیٰ نے بعض اوقات کو بعض پر فضیلت دی ہے اور کچھ اوقات کو کچھ پر فوقیت دی ہے، اور اپنے بندوں کے لیے اس وقت کو رحمتوں کے نزول کا موسم بنایا ہے۔ ان میں سے ایک وقت رمضان کے آخری دس دن ہیں جن میں بہت سی فضیلتیں اور برکتیں ہیں، جن میں سے ایک شبِ قدر ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے دوسری راتوں پر فضیلت دی ہے اور اپنی اس امت کو اس کی بڑی رحمتوں سے سرفراز فرمایا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی شان اپنی واضح کتاب میں بیان کی ہے، فرمایا: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةٍ مُّبَارَكَةٍ ۚ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ ۞ فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ ۞ أَمْرًا مِّنْ عِندِنَا ۚ إِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ ۞ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾، ترجمہ: (یقیناً ہم نے اسے بابرکت رات میں اتارا ہے بیشک ہم ڈرانے والے ہیں اسی رات میں ہر ایک مضبوط کام کا فیصلہ کیا جاتا ہے ہمارے پاس سے حکم ہو کر ہم ہی ہیں رسول بنا کر بھیجنے والے۔ آپ کے رب کی مہربانی سے وہی سننے والا جاننے والا)۔ [سورۃ الدخان: ۳-۶]، اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس مبارک رات میں قرآن پاک نبی محمد ﷺ پر نازل کیا گیا، یعنی شب قدر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾ ترجمہ: (بے شک ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا) [سورۃ القدر: ۱] اور یہ واقعہ رمضان کے مہینے میں ہوا، جیسا کہ فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ ترجمہ: (رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا) [سورۃ البقرہ: ۱۸۵] اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِيهَا يُفْرَقُ كُلُّ أَمْرٍ حَكِيمٍ﴾ ترجمہ: (اس میں ہر حکمت والا فیصلہ ہوتا ہے) [سورۃ الدخان: 4] یعنی شب قدر کی رات میں لوح محفوظ سے سال کے فیصلے (آجال، رزق وغیرہ) لکھنے والوں کو پہنچائے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّا أَنزَلْنَهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۞ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۞ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۞ تَنَزَّلُ الْمَلَٰئِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ ۞ سَلَٰمٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ [سورۃ القدر: ۱-۵] ترجمہ: (یقیناً ہم نے اسے شب قدر میں نازل فرمایا ۞ تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ ۞ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ۞ اس میں (ہر کام) کے سر انجام دینے کو اپنے رب کے حکم سے فرشتے اور روح (جبرائیل علیہ السلام) اترتے ہیں۔ ۞ یہ رات سلامتی کی ہوتی ہے اور فجر طلوع ہونے تک رہتی ہے ۞)۔

شبِ قدر کو اس لیے اس نام سے پکارا گیا کیونکہ اس کی قدر و قیمت اللہ کے نزدیک بہت عظیم ہے، اور اسی رات سال بھر کے مقدر (آجال، رزق، اور دیگر فیصلے) لکھے جاتے ہیں۔ پھر اس کی عظمت اور بزرگی کو واضح کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ﴾ یعنی تمہیں کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟ یعنی اس کی شان بہت بڑی اور فضیلت بہت عظیم ہے۔

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ﴾ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یعنی اس کی فضیلت ایک ہزار مہینوں کے برابر ہے۔ اس رات میں جو عمل کیا جائے وہ ہزار مہینوں میں کیے گئے تمام عملوں سے بہتر ہے جن میں وہ رات نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ بڑی نعمت فرمائی ہے کہ ایک ایسی رات نصیب کی جس کا اجر ایک ہزار مہینوں سے بھی زیادہ ہے، یعنی تقریباً ایک طویل عمر والے انسان کی عمر سے بھی بڑھ کر، یعنی تراسی سال سے زیادہ لمبی عمر پایا ہو۔

﴿تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا﴾ یعنی اس رات میں فرشتوں کا کثرت سے نزول ہوتا ہے، اور "الرُّوحُ" سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ ﴿مِن كُلِّ أَمْرٍ﴾ یعنی ہر وہ کام جس کا حکم اللہ تعالیٰ انہیں دیتا ہے۔ ﴿سَلَامٌ هِيَ﴾ یعنی یہ رات ہر قسم کے نقصان اور برائی سے پاک اور سلامتی والی ہے، کیونکہ اس میں بہت زیادہ خیر و برکت ہے۔ ﴿حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ﴾ یعنی اس کا آغاز غروب آفتاب سے ہوتا ہے اور اختتام طلوع فجر تک رہتا ہے[1]۔

تو غور کریں کہ اس مبارک رات میں کتنا عظیم فضل ہے، کیونکہ اس میں عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے بہتر ہے۔ لہٰذا پورے عشرے میں سخت محنت کریں تاکہ اس رات کو حاصل کریں اور اس کے قیام کی فضیلت پائیں۔ اس کی بھلائی اور برکت کی تلاش میں فرض نمازوں کی پابندی کریں، زیادہ سے زیادہ قیام اللیل کریں، زکات ادا کریں، صدقات دیں، روزے کا خیال رکھیں، نیکیاں زیادہ کریں، گناہوں اور برائیوں سے بچیں، اور آپس میں دشمنی، بغض، اور جھگڑوں سے دور رہیں، کیونکہ دشمنی اور بغض کی وجہ سے انسان کو لیلۃ القدر کی خیر و برکت سے محروم رکھا جا سکتا ہے۔

اور اس کے عظیم فضل میں سے یہ ہے کہ جو شخص اسے ایمان اور احتساب کے ساتھ قیام کرے، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ

---

[1] دیکھیے: تفسیر السعدی، صفحہ (۹۳۱)۔

علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص ایمان اور نیت پاکیزگی کے ساتھ لیلۃ القدر کی رات عبادت کرے، اس کے پچھلے گناہ معاف کر دیے جائیں گے"۔(متفق علیہ) (۱)۔

ہمارے نبی ﷺ خود اور آپ کے صحابہ کرام لیلۃ القدر کی تلاش میں خاص توجہ دیتے اور اس کی راتوں میں عبادت اور اجتہاد کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: "رسول اللہ ﷺ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے اور فرمایا کرتے: رمضان کے آخری عشرہ میں لیلۃ القدر کی تلاش کرو"۔(متفق علیہ) (۲) اور بخاری کی روایت (۳) میں ہے: "رمضان کے آخری عشرہ میں وتر کی راتوں میں لیلۃ القدر کی تلاش کرو"۔

ہمارے نبی ﷺ کی اس عشرے میں عبادت کے لیے جوش وجذبہ اور لیلۃ القدر کو حاصل کرنے کی کوشش کا ثبوت یہ ہے کہ آپ اس عرصے میں مسجد میں اعتکاف کرتے تھے اور صرف ناگزیر ضرورت کے لیے ہی گھر جاتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: "میں صرف ضرورت کے لیے گھر میں داخل ہوتی تھی اور وہاں مریض بھی ہوتا تھا، میں صرف گزرتی تھی اور اسی دوران مریض سے پوچھتی تھی، اور رسول اللہ ﷺ مسجد میں ہوتے ہوئے اپنے سر کو میرے گھر کی طرف جھکاتے تھے جبکہ آپ کے پیر باہر ہوتے تھے، اور جب آپ معتکف ہوتے تو آپ صرف ضرورت کے لیے گھر میں داخل ہوتے تھے"۔(متفق علیہ) (٤)

اللہ سبحانہ وتعالی نے اپنی رحمت کے طور پر عبادت گزاروں سے لیلۃ القدر کے علم کو مخفی رکھا تاکہ وہ ان برگزیدہ راتوں میں زیادہ سے زیادہ نماز، ذکر، اور دعا کے ذریعے اس کی تلاش میں سرگرم رہیں اور اللہ کے قرب اور ثواب میں اضافہ ہو۔ اس کا پوشیدہ ہونا ایک آزمائش بھی ہے تاکہ معلوم ہو کہ کون اس رات کی تلاش میں سنجیدہ اور محنتی ہے اور کون سست اور لاپرواہ۔ جو شخص کسی چیز کے حصول کے لیے واقعی پر عزم ہوتا ہے، وہ اس کے حصول کے لیے سخت محنت کرتا ہے اور تھکن اسے کم محسوس ہوتی ہے۔ واللہ أعلم۔

اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل وصحابہ کرام پر درود وسلام بھیجے۔ ☆☆☆

---

(1) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (۱۹۰۱)، اور مسلم نے بھی (۷٦۰)۔

(2) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (۲۰۲۰)، اور مسلم نے بھی (۱۱٦۹)۔

(3) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (۲۰۱۷)۔

(4) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (۲۰۲۹)، اور مسلم نے (۲۹۷)(۷) نیز یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

سبق نمبر 21: توحید کے اقسام اور اس کے فضائل

تمام تعریفیں اللہ رب دوجہاں کے لئے ہیں، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور تمام صحابہ پر۔ اما بعد:

اللہ تعالی نے انسانوں اور جنات کو بے فائدہ یا عبث نہیں پیدا کیا، بلکہ ان کو ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا کیا ہے، اور وہ یہ ہے کہ وہ اللہ سبحانہ و تعالی کی عبادت کریں؛ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴾ [سورۃ الذاریات: 56]، ترجمہ: (میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں)۔ یہ عبادت اللہ تعالی کے نزدیک توحید کے بغیر قبول نہیں ہوتی، اور جو شخص شرکِ اکبر میں مبتلا ہوتا ہے اس کی عبادت اور تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں؛ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [سورۃ الأنعام: 88] ترجمہ: (اللہ کی ہدایت ہی ہے جس کے ذریعہ سے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کی ہدایت کرتا ہے اگر فرضاً یہ حضرات بھی شرک کرتے تو جو کچھ یہ اعمال کرتے تھے وہ سب اکارت ہو جاتے)۔ اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ [سورۃ الزمر: 65]، ترجمہ: (یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا)۔

❍ توحید کا مطلب ہے اللہ تعالی کو ان تمام صفات اور خصائص میں یکتا جاننا جو صرف اسی کے لیے مخصوص ہیں، یعنی ربوبیت، الوہیت، اور اس کے اسماء وصفات [1]۔

❍ توحید کی تین اقسام [2] ہیں: پہلی قسم: توحید ربوبیت، اس کا مطلب ہے اللہ تعالی کو اس کے تمام افعال میں یکتا ماننا، جیسے کہ پیدا کرنا، رزق دینا، زندگی دینا اور موت دینا وغیرہ۔

---

(1) دیکھیے: القول المفید علی کتاب التوحید (11/1)۔

(2) توحید کی تقسیم کوئی نئی بات نہیں ہے؛ بلکہ اسے اسلام کے علمانے ذکر کیا ہے، جیسے کہ امام ابو حنیفہ نے اپنی کتاب الفقہ الأکبر میں (صفحہ ۱۳۵)، ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں (۱۹/۱۵)، ابن مندہ نے اپنی کتاب الکتاب التوحید کے ابواب میں، ابن بطہ نے الابانہ الکبریٰ (۱۴۹/۶) میں۔ اور اس تقسیم کو شیخ الاسلام ابن تیمیہ، ابن القیم اور دیگر علمانے تسلیم کیا ہے۔ اس تقسیم پر شرعی نصوص کے استقراء (تفصیلی مطالعہ) سے بھی دلالت ہوتی ہے، جس طرح علمانے

اور اس کی مثالیں یہ ہیں کہ انسان یہ ایمان رکھے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں، اللہ کے سوا کوئی روزی دینے والا نہیں، اللہ کے سوا کوئی زندہ کرنے والا اور موت دینے والا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ مَن يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أَمَّن يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَمَن يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَن يُدَبِّرُ الْأَمْرَ فَسَيَقُولُونَ اللَّهُ فَقُلْ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ [سورۃ یونس: ۳۱] ترجمہ: (آپ کہئے کہ وہ کون ہے جو تم کو آسمان اور زمین سے رزق پہنچاتا ہے یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور وہ کون ہے جو تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے؟ ضرور وہ یہی کہیں گے کہ 'اللہ' تو ان سے کہیے کہ پھر کیوں نہیں ڈرتے)۔ اور ارشاد فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ﴾ [سورۃ فاطر: 3] ترجمہ: (لوگو! تم پر جو انعام اللہ نے کئے ہیں انہیں یاد کرو۔ کیا اللہ کے سوا اور کوئی بھی خالق ہے جو تمہیں آسمان و زمین سے روزی پہنچائے؟ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس تم کہاں الٹے جاتے ہو)۔

دوسرا: توحید اسماء وصفات، یعنی اللہ تعالیٰ کو ان تمام نام اور صفات میں یکتا جاننا جن کو اس نے اپنے آپ کو موسوم کیے ہیں یا اس کے ذریعے خود کو اپنی کتاب میں موصوف کیا ہے یا اپنے رسول کی زبانی بیان کیے ہیں، اسی طرح تسلیم کرنا جس طرح اس نے ثابت کیا ہے اور ان کی نفی کرنا جن کی انہوں نے نفی کی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو بغیر کسی تحریف، تعطیل (انکار)، تکییف (کیسے ہیں اس کی تشریح) یا تمثیل (مشابہت) کے ثابت کرنا شامل ہے۔ اس نوعیت کی مثالوں میں سے ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے بلند ہے، اور مسلمان پر فرض ہے کہ وہ ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق سے بلند و بالا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ﴾ [سورۃ الشوریٰ: ۴]، ترجمہ: (وہ برتر اور عظیم الشان ہے)۔ ابن بطہ العکبری رحمہ اللہ نے فرمایا: "تمام صحابہ، تابعین اور اہل علم میں اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر آسمانوں کے اوپر ہے، اپنی مخلوق سے الگ ہے، اور اس کا علم اپنی تمام مخلوق پر محیط ہے"[1]۔

تیسرا: توحید الوہیت، یعنی اللہ سبحان و تعالیٰ کو عبادت کا واحد مستحق جاننا اور صرف اسی کی عبادت کرنا۔ اس قسم کی مثالیں یہ ہیں کہ مسلمان صرف اللہ ہی کو پکارے، صرف اللہ کے لیے قربانی دے، اور صرف اللہ کے لیے نذر

نماز، روزہ، زکوۃ، اور حج کے احکام کو شرائط، ارکان، واجبات، مستحبات اور مفسدات میں تقسیم کیا ہے۔ اور سلف صالحین میں سے کسی عالم سے یہ معروف نہیں کہ انہوں نے اس تقسیم کا انکار کیا ہو۔

([1]) دیکھیے: الإبانۃ الکبری (۱۳٦/٦)۔

کرے؛ جیساکہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَقَضَى رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ﴾ [سورۃ الإسراء: ٢٣]، ترجمہ: (اور تیرا پروردگار صاف صاف حکم دے چکا ہے تم اس کے سوا اور کسی کی عبادت نہ کرنا)۔

لہٰذا، توحید کا اسلام میں بہت بڑا مقام ہے، اور کوئی شخص صرف توحید کے ذریعے ہی مسلمان بنتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَقُولُوا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ، فَإِذَا قَالُوا: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللَّهِ» (متفق علیہ) [١]۔ یعنی مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے جنگ کروں جب تک وہ نہ کہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور جب وہ یہ کہہ دیں تو ان کا خون اور مال میرے لیے محفوظ ہو جائے گا، مگر حق کے طور پر، اور ان کا حساب اللہ کے پاس ہے۔

○ بے شک اللہ تعالی نے توحید کے لیے دنیا و آخرت میں بہت سے فضائل بیان فرمائے ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

1- توحید امن اور ہدایت کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾ [سورۃ الأنعام: 82] ترجمہ: (اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم (یعنی شرک) کو نہیں ملایا، انہی کے لیے امن ہے اور وہی ہدایت پانے والے ہیں)۔

2- توحید گناہوں کی مغفرت کا سبب ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: «اللہ تعالی فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! اگر تو میرے پاس زمین بھر گناہوں کے ساتھ آئے، پھر تو مجھ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا ہو، تو میں تجھے زمین بھر مغفرت کے ساتھ ملوں گا»۔ (ترمذی) [٢]

٣- توحید جنت میں داخلے کا سبب ہے؛ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «جس نے گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبودِ برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں، اور (یہ بھی کہ) عیسیٰ (علیہ السلام) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، اور

---

[1] بخاری (٢٩٤٦)، مسلم (٢٠)۔
[2] اسے ترمذی نے روایت کیا (٣٥٤٠) اور کہا: یہ حدیث حسن ہے، اور البانی نے اسے صحیح سنن الترمذی میں صحیح قرار دیا۔ اس حدیث کی اصل مسلم (٢٦٨٧) میں ہے۔

اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے مریم کی طرف ڈالا، اور وہ اس کی طرف سے ایک روح ہیں، اور جنت حق ہے، اور جہنم حق ہے تو اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائے گا، چاہے اس کے اعمال جیسے بھی ہوں»۔ (متفق علیہ) [1]

۴- توحید جہنم سے نجات کا سبب ہے: حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: «اللہ تعالیٰ نے اس شخص پر دوزخ کو حرام قرار دے دیا ہے جو "لا إله إلا الله" اس نیت سے کہے کہ وہ صرف اللہ کا رضا چاہتا ہے»۔ (متفق علیہ) [2] اور "لا إله إلا الله" کا مطلب ہے: اللہ کے سوا کوئی سچا (حقیقی) معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِن دُونِهِ ٱلْبَٰطِلُ وَأَنَّ ٱللَّهَ هُوَ ٱلْعَلِيُّ ٱلْكَبِيرُ﴾ [سورۃ الحج: 6] یعنی اللہ ہی سچا ہے، اور اس کے سوا جنہیں لوگ پکارتے ہیں وہ سب باطل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ انسان "لا إله إلا الله" کو علم و فہم کے ساتھ دل سے مانے، اور اس کے تقاضوں پر عمل کرے، ظاہر و باطن میں۔ صرف زبان سے کہہ دینا، بغیر معنی سمجھے اور اس کے مطابق عمل کیے، اجماع کے مطابق نفع نہیں دیتا[3]۔ اسی لیے وہب بن منبہ رحمہ اللہ سے کہا گیا: "کیا 'لا إله إلا الله' جنت کی کنجی نہیں؟" انہوں نے فرمایا: "کیوں نہیں، مگر ہر کنجی کے دندانے ہوتے ہیں۔ اگر تم دندانوں والی کنجی لاؤ گے تو دروازہ کھلے گا، ورنہ نہیں[4]۔" یعنی دندانے نیک اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَن كَانَ يَرْجُوا لِقَآءَ رَبِّهِۦ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَٰلِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِۦٓ أَحَدًۢا﴾ [سورۃ الکھف: 110] یعنی: جو کوئی اپنے رب سے ملاقات کی امید رکھتا ہے، وہ نیک عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرے۔

5- توحید مسلمانوں کی قوت، ان کے زمین پر غلبے اور دشمنوں سے حفاظت کا سبب ہے: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ كَمَا ٱسْتَخْلَفَ ٱلَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّنۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ يَعْبُدُونَنِى لَا يُشْرِكُونَ بِى شَيْـًٔا ۚ وَمَن كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْفَٰسِقُونَ﴾ [سورۃ النور: 55] یعنی: "اللہ نے تم میں سے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے، وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور اقتدار دے گا جیسے اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو اقتدار دیا، اور ان کے لیے ان کے دین کو مضبوطی کے ساتھ جما دے گا جسے اُس نے ان کے لیے پسند فرمایا، اور ان کے

---

(1) اسے بخاری نے روایت کیا (۳۴۳۵) اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں، مسلم (۲۸) میں بھی ہے۔

(2) اسے بخاری (۴۲۵)، اور مسلم (۳۳) نے روایت کیا، اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں، اور یہ ایک طویل حدیث کا حصہ ہے۔

(3) دیکھیے: **تیسیر العزیز الحمید شرح کتاب التوحید**، صفحہ (۵۱)۔

(4) بخاری نے اسے اپنی صحیح میں معلقاً نقل کیا (۲/۷۱)، باب ما جاء في الجنائز...، اور اسے اپنی تاریخ (۱/۹۵) میں متصلاً روایت کیا۔

خوف کو امن سے بدل دے گا، وہ صرف میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اور جو اس کے بعد کفر کرے تو وہی لوگ فاسق ہیں"۔ صحیح بخاری میں امام بخاری رحمہ اللہ نے باب باندھا: "عمل صالح قبل القتال "یعنی "جہاد سے پہلے نیک عمل"۔ اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم اپنی اعمال ہی کے ذریعے دشمنوں سے لڑتے ہو(١)۔ "یعنی اصل طاقت نیک اعمال میں ہے، اور سب سے عظیم نیک عمل توحید ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ایمان کی کچھ شاخیں ستر سے زیادہ یا ساٹھ سے زیادہ ہیں، ان میں سب سے افضل شاخ "لا إله إلا الله" کہنا ہے، اور سب سے ادنی شاخ راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے، اور حیاء بھی ایمان کی ایک شاخ ہے"۔ (متفق علیہ)(٢)۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں توحید اور سنت پر زندہ رکھے، اور انہی پر ہمیں موت دے، اور ہمارے دلوں اور اعمال کی اصلاح فرمائے، اور ہمیں گمراہ کن فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔ واللہ اعلم۔

اور اللہ تعالیٰ درود و سلام نازل فرمائے ہمارے نبی محمد ﷺ پر، اور آپ کی آل اور تمام صحابہ کرام پر۔

☆☆☆

---

(1) بخاری نے اپنی صحیح (٢٠/٤) میں معلق نقل کیا، اور اسے **ابن المبارک** نے کتاب الجہاد (٥) میں متصل روایت کیا۔

(2) اسے بخاری (٩)، مسلم (٥٨/٣٥) نے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

سبق نمبر 22: قیام اللیل کی فضیلت

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ، آپ کی آل اور تمام صحابہ کرام پر۔ اَمابعد:

اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر خاص فضل فرمایا، چنانچہ ان کے لیے نوافل مقرر فرمائے تاکہ وہ ان کے ذریعے اپنے درجات بلند کریں، اور فرض عبادات میں پائی جانے والی کمی کو پورا کریں، اور اپنی رحمت کے دروازے ان پر کھول دیے۔ انہی نوافل میں سے قیام اللیل (رات کی نماز) بھی ہے جسے اللہ تعالی نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیا، اور اس پر اجر و ثواب مقرر فرمایا، اور اہلِ قیام کی تعریف و توصیف فرمائی۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ تَتَجَافَىٰ جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ، يَدْعُونَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَطَمَعًا، وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ، فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ [السجدة: 16-17] یعنی: ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں، وہ اپنے رب کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں، اور ہم نے جو کچھ انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ تو کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لیے آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے، ان اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے۔ نیز فرمایا: ﴿ كَانُوا قَلِيلًا مِّنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ، وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ﴾ [الذاریات: 17-18] اور فرمایا: ﴿ وَالَّذِينَ يَبِيتُونَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَقِيَامًا ﴾ [الفرقان: 64] ترجمہ: (اور جو اپنے رب کے سامنے سجدے اور قیام کرتے ہوئے راتیں گزار دیتے ہیں)۔

نبی ﷺ خود قیام اللیل کے بہت زیادہ حریص تھے، جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: "نبی کریم ﷺ رات کو اتنا قیام فرماتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک پھٹ جاتے تھے" میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ یہ سب کچھ کیوں کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالی نے آپ کے اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟" (متفق علیہ)۔ (۱)

○ قیام اللیل کی فضیلتوں میں سے بعض یہ ہیں:

---

(1) اسے **بخاری** (۴۸۳۷) اور **مسلم** (۲۸۲۰) نے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

1–یہ فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نفل نماز ہے: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "فرض نمازوں کے بعد سب سے افضل نماز، رات کی نماز ہے"۔ (اسے مسلم نے روایت کیا ہے) (١)۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: "اللہ کے نزدیک سب سے محبوب نماز، داؤد علیہ السلام کی نماز ہے، اور اللہ کے نزدیک سب سے محبوب روزہ، داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے۔ وہ آدھی رات سوتے، ایک تہائی رات قیام کرتے اور چھٹا حصہ سوتے، اور ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے"۔ (متفق علیہ) (٢)

٢- یہ جنت میں داخلے کے اسباب میں سے ہے: ترمذی اور دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے: انہوں نے کہا: جب رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو لوگ آپ کی طرف دوڑ پڑے، اور کہا گیا: رسول اللہ ﷺ آ گئے۔ میں بھی لوگوں میں شامل ہو کر آپ کو دیکھنے کے لیے گیا۔ جب میں نے رسول اللہ ﷺ کے چہرے کو پہچانا، تو فوراً جان گیا کہ یہ چہرہ کسی جھوٹے کا نہیں ہو سکتا۔ آپ ﷺ کی پہلی بات جو میں نے سنی، وہ یہ تھی: "اے لوگو! سلام کو عام کرو، کھانا کھلاؤ، رات کو نماز پڑھو جب لوگ سو رہے ہوں، تو تم سلامتی کے ساتھ جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔ (رواہ الترمذي) (٣)

٣- یہ جنت میں اعلیٰ درجات حاصل کرنے کا ذریعہ ہے: حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "بیشک جنت میں ایک (ایسا) بالاخانہ ہے کہ اس کا اندرونی حصہ باہر سے اور باہر کا اندر سے نظر آتا ہے، اللہ نے یہ ان لوگوں کے لیے تیار کیا ہے جو کھانا کھلاتے ہیں، نرم گفتگو کرتے ہیں، (نفلی) روزے رکھتے ہیں، اور رات کو اس وقت نماز پڑھتے ہیں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں"۔ (رواہ: الإمام أحمد) (٤)

---

(1) اسے **مسلم** (١١٦٣) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے **بخاری** (١١٣١) اور **مسلم** (١١٥٩) نے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

(3) اسے **ترمذی** (٢٤٨٥) نے روایت کیا ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے، **ابن ماجہ** (١٣٣٤) نے بھی روایت کیا ہے (اور یہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں)، نیز مسند **احمد** (٢٠١/٣٩)، حدیث نمبر (٢٣٧٨٤) میں بھی موجود ہے۔

(4) اسے **امام احمد** (٢٢٩٠٥)، **ابن خزیمہ** (٣٠٦/٣) اور **ابن حبان** (٢٦٢/٢) نے روایت کیا ہے اور ان دونوں نے اسے صحیح کہا ہے، نیز **البانی** نے اسے صحیح الجامع الصغیر وزیادتہ (٤٢٦/١)، حدیث نمبر (٢١٢٣) میں حسن قرار دیا ہے۔

٤- قیام اللیل اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ، گناہوں کا کفارہ اور معصیت سے روکنے والا عمل ہے:
حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم پر رات کی نماز لازم ہے، کیونکہ یہ تم سے پہلے نیک لوگوں کا طریقہ ہے، اور یہ تمہارے رب کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، اور گناہوں کا کفارہ ہے، اور گناہوں سے روکنے والی چیز ہے"۔ (روایت: الترمذي وغیرہ) (١)

٥- رات کے وقت قرآن کے ساتھ قیام کرنے والے کو حسد کے قابل سمجھا گیا ہے: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "حسد جائز نہیں مگر دو آدمیوں پر: ایک وہ شخص جسے اللہ نے کتاب (قرآن) عطا کی ہو، اور وہ رات کے مختلف حصوں میں اس کے ساتھ قیام کرتا ہو، اور دوسرا وہ شخص جسے اللہ نے مال عطا کیا ہو اور وہ اسے رات دن خرچ کرتا ہو"۔ (متفق علیہ) (٢)

٦- قیام اللیل میں قرآن کی تلاوت کرنے والوں کو خاص فضیلت دی گئی ہے: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے رات کو دس آیات کے ساتھ قیام کیا، اسے غافلوں میں نہیں لکھا جائے گا۔ جس نے سو آیات کے ساتھ قیام کیا، وہ قانتین (فرماں بردار عبادت گزاروں) میں لکھا جائے گا۔ اور جس نے ہزار آیات کے ساتھ قیام کیا، وہ مقنطرین (بہت زیادہ اجر پانے والوں) میں شمار ہوگا"۔ (رواہ أبوداود) (٣)

٧- رمضان میں قیام اللیل (تراویح) کا ثواب: جو شخص رمضان کے مہینے میں ایمان کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے اجر کی امید رکھتے ہوئے قیام کرے، یعنی اس کے قیام کا مقصد نہ شہرت ہو، نہ دکھاوا، نہ مال و مرتبہ کا حصول تو اللہ تعالیٰ اس کے پچھلے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» (متفق علیہ)۔ (٤)

٨- رات کے آخری حصے میں قیام اور اللہ تعالیٰ کا نزول: قیام اللیل خصوصاً رات کے آخری حصے میں بہت فضیلت رکھتا ہے، کیونکہ یہی وہ وقت ہے جب اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے، اور یہ نزول اس کے جود و کرم،

---

(1) اسے ترمذی نے حدیث نمبر (٣٥٤٩) کے بعد روایت کیا ہے، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح (١٧٦/٢) میں، اور البانی نے إرواء الغلیل (١٩٩/٢)، حدیث نمبر (٤٥٢) میں اسے حسن کہا ہے۔

(2) اسے بخاری (٥٠٢٥) اور مسلم (٨١٥) نے روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

(3) اسے ابوداود (١٣٩٨)، ابن خزیمہ (١٨١/٢) اور ابن حبان (٣١٠/٦) نے روایت کیا ہے، اور البانی نے صحیح سنن أبي داود میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(4) اسے بخاری (٣٧) اور مسلم (٧٥٩) نے روایت کیا ہے۔

معافی اور دعاؤں کے قبول ہونے کا وقت ہوتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالَى كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، حِينَ يَبْقَى ثُلُثُ اللَّيْلِ الْآخِرُ، فَيَقُولُ: مَنْ يَدْعُونِي فَأَسْتَجِيبَ لَهُ، وَمَنْ يَسْأَلُنِي فَأُعْطِيَهُ، وَمَنْ يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ» (متفق علیہ)[1]۔

مؤمن کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان بہترین لمحات کو ضائع نہ کرے اور بھرپور فائدہ اٹھائے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

☆☆☆

([1]) اسے بخاری (۱۱۴۵) اور مسلم (۷۵۸) (حدیث نمبر ۱۶۸) نے روایت کیا ہے۔

سبق نمبر 23: سب سے عظیم گناہ

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے آل اور تمام صحابہ پر ہو، امابعد:

گناہ چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں، اور بڑے گناہ بھی درجوں میں مختلف ہیں۔ ان میں سب سے بڑا گناہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے جو سب سے بڑا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَإِذْ قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهِ وَهُوَ يَعِظُهُ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللَّهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾، ترجمہ: (اور (یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی اور کہا: اے بیٹے! اللہ کے ساتھ شرک مت کر، بے شک شرک بڑا ظلم ہے) [سورہ لقمان: 13]۔ اور حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں سب سے بڑے گناہوں کے بارے میں نہ بتاؤں"؟ تین بار، پھر فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا..." (متفق علیہ) [۱]۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ان سات مہلک گناہوں سے بچو۔" پوچھا گیا: یارسول اللہ یہ کون سے ہیں؟ انہوں نے پہلے گناہ کا ذکر کیا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا..." (متفق علیہ) [۲]۔ اور مہلک گناہ وہ گناہ ہوتے ہیں جو انسان کو ہلاک کر دیتے ہیں [۳]۔

○ اور یہ شرک دو قسموں میں بٹا ہوا ہے:

△ پہلی قسم: شرک اکبر یہ اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو اس کے خاص خصائص [٤] میں برابر سمجھنا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے بارے میں فرمایا جب وہ قیامت کے دن اپنی قوم سے مخاطب ہوں گے: ﴿تَاللَّهِ إِن كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ۝ إِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ترجمہ: (قسم ہے اللہ کی، بے شک ہم کھلے گمراہ میں تھے، جب ہم تمہیں رب العالمین کے برابر ٹھہرایا کرتے تھے) [سورہ الشعراء: 97-98]۔ یہ وہ شرک ہے جو انسان ملت اسلام سے باہر نکال دیتا ہے۔ اس کی مثالیں ہیں: جیسے اولیاء اور صالحین کے غیب جاننے کا عقیدہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ ترجمہ: (کہہ دو کہ آسمانوں اور

---

(1) اسے بخاری (۲۶۵۴) اور مسلم (۸۷) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے بخاری (۲۷۶۶) اور مسلم (۸۹) نے روایت کیا ہے۔

(3) دیکھیے: النهاية في غريب الحديث (۹/ ۴۳۳۲)۔

(4) دیکھیے: حاشية كتاب التوحيد از ابن قاسم، صفحہ (۵۰)۔

زمین میں غیب کو کوئی نہیں جانتا مگر اللہ، اور وہ نہیں جانتے کہ انہیں کب زندہ کیا جائے گا)[سورہ النمل: 65]۔ شرک اکبر کی دیگر مثالیں ہیں مردوں، غائب اولیاء اور صالحین سے مدد طلب کرنا، جیسے کہنا "مدد یا رسول اللہ"، یا "مدد یا حسین"، یا ان کے لیے قربانی دینا یا نذر کرنا، یہ سب اللہ کے قریب ہونے کی خواہش یا شفاعت کی امید کے بہانے سے کیا جاتا ہے۔

یہ دونوں حجتیں وہ دلیلیں ہیں جو ابتدائی مشرکین نے نبی ﷺ کے زمانے میں اور اس سے پہلے استعمال کیں، اور آج تک بھی استعمال کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر کیا اور انہیں باطل قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ ۚ وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ فِي مَا هُمْ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي مَنْ هُوَ كَاذِبٌ كَفَّارٌ﴾ ترجمہ: (خبردار! اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خالص عبادت کرنا ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور جن لوگوں نے اس کے سوا دوسرے معبود بنا رکھے ہیں یہ لوگ جس بارے میں اختلاف کر رہے ہیں اس کا سچا فیصلہ اللہ خود کرے گا جھوٹے اور ناشکرے (لوگوں کو اللہ تعالیٰ راہ نہیں دکھاتا)[سورۃ الزمر: 3]۔ اور فرمایا: ﴿وَيَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنفَعُهُمْ وَيَقُولُونَ هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَ اللَّهِ ۚ قُلْ أَتُنَبِّئُونَ اللَّهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ترجمہ: (اور یہ لوگ اللہ اور یہ لوگ اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جو نہ ان کو ضرر پہنچا سکیں اور نہ ان کو نفع پہنچا سکیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں آپ کہہ دیجئے کہ تم اللہ کو ایسی چیز کی خبر دیتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو معلوم نہیں، نہ آسمانوں میں اور نہ زمین میں وہ پاک اور برتر ہے ان لوگوں کے شرک سے)۔ [سورۃ یونس: 18]۔ وہ مشرک جنہوں نے ان دونوں حجتوں کا سہارا لیا، نبی ﷺ نے انہیں معذور نہیں سمجھا بلکہ انہیں مشرک اور کافر سمجھا اور ان سے جنگ کی۔

⌂ **دوسری قسم:** شرک اصغر یہ وہ شرک ہے جو نصوص میں شرک کے طور پر آیا ہے مگر شرک اکبر تک نہیں پہنچتا(۱)۔ اسے یوں بھی تعریف کیا گیا ہے کہ یہ ہر وہ ذریعہ اور بہانہ ہے جس سے شرک اکبر کی طرف رجحان ہو، خواہ ارادے ہوں، اقوال ہوں یا افعال، جو عبادت کے درجے تک نہیں پہنچتے(۲)۔

شرک اصغر زنا، چوری اور دیگر بڑے گناہوں سے زیادہ عظیم ہے جو شرک سے کم درجے کے گناہ ہیں، لیکن یہ اسلام کی ملت سے خارج نہیں کرتا، اور اس کی بہت سی اقسام عوام میں پائی جاتی ہیں۔

---

(1) دیکھیے: حاشیۃ کتاب التوحید از ابن قاسم، صفحہ (۵۱)۔

(2) دیکھیے: القول السدید از شیخ ابن سعدی، صفحہ (۵۴)۔

اس کی مثالوں میں شامل ہے اللہ کے سوا کسی اور کے نام کی قسم کھانا، جیسے نبی، امانت، کعبہ یا ولی کے نام کی قسم، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر قسم کھائے تو وہ کافر یا مشرک ہے"۔ (حدیث ابو داؤد) (١)۔

شرک اصغر کی ایک اور مثال یہ بھی ہے کہ یہ عقیدہ کہ ستارے بارش کا سبب ہیں؛ حضرت ابو مالک الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میری امت میں چار چیزیں ہیں جو جاہلیت کے زمانے کی ہیں اور وہ انہیں ترک نہیں کرتے، اور ان میں سے ایک ہے ستاروں سے بارش کی طلب"۔ (حدیث مسلم) (٢)۔ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھے کہ ستارے اللہ کے بغیر خود سے بارش نازل کرتے ہیں، تو یہ شرک اکبر میں آتا ہے اور اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔

شرک اصغر کی ایک اور مثال تعویذ (تمیمہ) کا لٹانا ہے۔ تعویذ وہ چیز ہے جو بلا کی آمد سے پہلے اسے دور رکھنے یا آنے کے بعد اس کو رفع کرنے کے خیال سے پہنائی یا لٹکائی جاتی ہے، جیسے **"گھروں پر، بچوں پر، گاڑیوں پر، جانوروں پر یا دیگر چیزوں پر دھاگے، سپیاں (٣)، آنکھ کی تصویر، گھوڑے کی نعل یا اس جیسی دوسری چیزیں لٹکانا"**۔ حضرت عقبة بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو تعویذ لٹائے وہ شرک میں مبتلا ہوا"۔ (مسند احمد) (٤)۔

شرک اصغر کی ایک اور مثال ریاکاری ہے، جس کا مطلب ہے کہ بندہ نیک عمل کرے تاکہ لوگ اسے دیکھیں اور اس کی تعریف کریں۔ حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب

---

[1] اسے **ابو داود** (٣٢٥١) اور **ترمذی** (١٥٣٥) نے روایت کیا ہے (اور یہ الفاظ ترمذی کے ہیں)، اور انہوں نے کہا: حدیث حسن ہے، نیز **حاکم** (٧٨١٤) نے اسے روایت کیا ہے اور صحیح کہا ہے۔

[2] اسے **مسلم** (٩٣٤) نے روایت کیا ہے۔

[3] **الودع**" : ودعة" کی جمع ہے، اور یہ ایک **سفید خول دار موتی نما چیز** ہوتی ہے جو سمندر سے حاصل کی جاتی ہے، اور بچوں وغیرہ کے گلے میں **تعویذ** کی طرح لٹکائی جاتی ہے۔ اور اس سے **ممانعت** اس لیے آئی ہے کیونکہ **زمانۂ جاہلیت** میں لوگ اسے **نظرِ بد سے بچاؤ** کے لیے استعمال کرتے تھے۔ دیکھیے: **النهاية لابن الأثير** (٩ /٤٣٧٨) اور **لسان العرب** (٨ /٣٨٠–٣٨١)۔

[4] اسے **امام احمد** (١٧٤٢٢) نے روایت کیا ہے، اور **البانی** نے السلسلة الصحيحة (٤٩٢) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

سے زیادہ ڈر مجھے تمہارے لیے شرک اصغر کا ہے"۔ پوچھا گیا: یا رسول اللہ شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: "ریاکاری"۔ (مسند احمد[1])۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں شرک اکبر اور اصغر سے، ظاہری اور باطنی دونوں سے بچائے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

☆☆☆

([1]) اسے **امام احمد**) ۲۳۶۳۰، ۲۳۶۳۱)، **طبرانی** نے المعجم الکبیر) ۴۳۰۱ (اور **بیہقی** نے شعب الإیمان) ۶۴۱۲ (میں روایت کیا ہے، اور **البانی** نے صحیح الترغیب والترھیب) ۳۲ (میں اسے صحیح کہا ہے۔

سبق نمبر 24: جنت کی وصف اور اس میں داخلے کے اسباب

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے آل اور تمام صحابہ پر ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لیے جنت تیار کی ہے جو اس کی اطاعت کریں اور اس سے ڈریں، جس کی وسعت آسمان اور زمین کے برابر ہے، جس میں وہ چیزیں ہیں جو کسی آنکھ نے نہیں دیکھی، نہ کسی کان نے سنی، اور نہ کسی انسان کے دل میں خیال آیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ ترجمہ: ((آؤ) دوڑو اپنے رب کی مغفرت کی طرف اور اس کی جنت کی طرف جس کی وسعت آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے یہ ان کے لئے بنائی گئی ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں ایمان رکھتے ہیں)۔[سورۃ حدید: 21]۔ اور فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِن ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ﴾ ترجمہ: (ایمان والوں اور نیک کام والوں کو اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے درختوں تلے سے نہریں لہریں بہہ رہی ہیں، جہاں وہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سچے موتی بھی۔ وہاں ان کا لباس خالص ریشم کا ہوگا)۔[سورۃ حج: 23]۔ اور فرمایا: ﴿ادْخُلُوا الْجَنَّةَ أَنتُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُونَ ۞ يُطَافُ عَلَيْهِم بِصِحَافٍ مِّن ذَهَبٍ وَأَكْوَابٍ ۖ وَفِيهَا مَا تَشْتَهِيهِ الْأَنفُسُ وَتَلَذُّ الْأَعْيُنُ ۖ وَأَنتُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۞ وَتِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۞ لَكُمْ فِيهَا فَاكِهَةٌ كَثِيرَةٌ مِّنْهَا تَأْكُلُونَ﴾ ترجمہ: (تم اور تمہاری بیویاں ہشاش بشاش (راضی خوشی) جنت میں چلے جاؤ ان کے چاروں طرف سے سونے کی رکابیاں اور سونے کے گلاسوں کا دور چلایا جائے گا ان کے جی جس چیز کی خواہش کریں اور جس سے ان کی آنکھیں لذت پائیں، سب وہاں ہوگا اور تم اس میں ہمیشہ رہو گے۔ یہی وہ بہشت ہے کہ تم اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنائے گئے ہو۔ یہاں تمہارے لئے بکثرت میوے ہیں جنہیں تم کھاتے رہو گے)[سورۃ زخرف: 70-73]۔ اور فرمایا: ﴿لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا الْحُسْنَىٰ وَزِيَادَةٌ ۖ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾، ترجمہ: (جن لوگوں نے نیکی کی ہے ان کے واسطے خوبی ہے اور مزید برآں بھی اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت، یہ لوگ جنت میں رہنے والے ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔)[سورۃ یونس: 26]۔ یہ بہترین چیز اور خوبی "الْحُسْنَىٰ" جنت ہی ہے کیونکہ اس سے بہتر کوئی مقام نہیں، اور اضافہ "وَزِيَادَةٌ" اللہ کے چہرے کی طرف نظر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی ﷺ سے کہا: یا رسول اللہ، ہمیں جنت کے بارے میں بتائیں، اس کی ساخت کیسی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: " جنت کی عمارت چاندی کی ایک اینٹ اور سونے کی ایک اینٹ سے بنی ہے، اور اس کا گارا **خوشبودار کستوری** ہے، اور اس کی کنکریاں **موتی اور یاقوت** ہیں، اور اس کی مٹی **زعفران** ہے۔ جو اس میں داخل ہو گا وہ آرام میں رہے گا، کوئی تکلیف نہیں پائے گا، ہمیشہ زندہ رہے گا، کبھی نہیں مرے گا، ان کے کپڑے پرانے نہیں ہوں گے اور ان کی جوانی فنا نہیں ہو گی"۔ (حدیث احمد) [1]۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: " بیشک جنت میں ایک بازار ہو گا، جس میں لوگ ہر جمعہ کو آئیں گے، شمال کی ہوا چلے گی اور وہ ان کے چہروں اور کپڑوں پر لگے گی، پس وہ مزید خوبصورت اور حسین ہو جائیں گے، پھر جب وہ اپنے اہل و عیال کے پاس لوٹیں گے تو وہ بھی کہنے لگیں گے: اللہ کی قسم! تم تو ہمارے بعد اور زیادہ خوبصورت اور حسین ہو گئے ہو، تو وہ کہیں گے: تم بھی! اللہ کی قسم! تم بھی ہمارے بعد اور زیادہ خوبصورت اور حسین ہو گئی ہو"۔ (حدیث مسلم [2])۔ اور حضرت ابو سعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "ایک ندا کرنے والا پکارے گا: تمہارے لیے یہ حق ہے کہ تم صحت مند رہو اور کبھی بیمار نہ ہو، تمہارے لیے یہ حق ہے کہ تم زندہ رہو اور کبھی نہ مرو، تمہارے لیے یہ حق ہے کہ تم جوان رہو اور کبھی بوڑھے نہ ہو، تمہارے لیے یہ حق ہے کہ تم نعمتوں میں رہو اور کبھی غمگین نہ ہو"۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: ﴿وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾، ترجمہ: (اور ان سے پکار کر کہا جائے گا کہ اس جنت کے تم وارث بنائے گئے ہو اپنے اعمال کے بدلے)[سورۃ الاعراف: 43]۔ (حدیث مسلم) [3]۔

جنت کی وصف، اس کے نعمتوں، خوشیوں، سکون اور مسرت کے بارے میں آیات اور احادیث بہت ہی زیادہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے جنت والوں کی صفات اور ان کے اعمال بتائے ہیں جن کی وجہ سے وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (١) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (٢) وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ (٣) وَالَّذِينَ هُمْ لِلزَّكَاةِ فَاعِلُونَ (٤) وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حَافِظُونَ (٥) إِلَّا

---

(1) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے (۸۰۴۳)، امام ترمذی نے (۲۵۲۶)، اور ابن حبان نے (۵۱۷۹)؛ اور علامہ البانی نے " صحیح سنن الترمذی" میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (۲۸۳۳)۔

(3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (۲۸۳۷)۔

عَلَىٰ أَزْوَاجِهِمْ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُمْ فَإِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُومِينَ (٦) فَمَنِ ابْتَغَىٰ وَرَاءَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْعَادُونَ (٧) وَالَّذِينَ هُمْ لِأَمَانَاتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رَاعُونَ (٨) وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَوَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ (٩) أُولَٰئِكَ هُمُ الْوَارِثُونَ (١٠) الَّذِينَ يَرِثُونَ الْفِرْدَوْسَ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (١١)﴾ ترجمہ: (بے شک کامیاب ہو گئے وہ مؤمن جو اپنی نماز میں خشوع کرتے ہیں، اور جو لغو سے پرہیز کرتے ہیں، اور جو زکوۃ دیتے ہیں، اور جو اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتے ہیں سوائے اپنی بیویوں یا مملوکوں کے، پس جو اس سے آگے بڑھے وہ حد سے نکلنے والے ہیں، اور جو اپنی امانتوں اور عہد کی حفاظت کرتے ہیں، اور جو اپنی نماز کا بہت خیال رکھتے ہیں، یہی وارث ہیں، جو فردوس کو پائیں گے اور ہمیشہ وہاں رہیں گے)[سورۃ المؤمنون: 1-11]۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: مجھے ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں داخل کرے اور آگ سے دور رکھے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے بڑا سوال کیا ہے، اور یہ آسان ہے اس کے لیے جس پر اللہ آسانی کرے: اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، نماز قائم کرو، زکوۃ دو، رمضان کے روزے رکھو، اور بیت اللہ کی حج کرو"۔ (حدیث احمد) (١)۔

لہٰذا جنت والوں کی سب سے اہم صفات اور اعمال یہ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا عقیدہ رکھتے ہیں، اور شرک نہیں کرتے، اسلام کے ان فرض کیے گئے احکام کی پابندی کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے واضح کیے ہیں، اور اپنی شرمگاہ، امانتوں اور عہدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

اللہ کی رحمت کے بعد جنت تک پہنچنے والے نیک اعمال بہت زیادہ ہیں، جیسے عبادات کے نفلی اعمال، زیادہ نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، صدقہ دینا، حج و عمرہ کرنا، شرعی علم حاصل کرنا، اور اچھے اخلاق کا دامن تھامنا۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ سے پوچھا کہ کون سا عمل ہے جس سے اللہ مجھے جنت میں داخل کردے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "تم اللہ کے لیے زیادہ سجدے کرو، کیونکہ جب تم اللہ کے لیے ایک سجدہ کرتے ہو تو اللہ اس سے تمہارا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور تمہارے گناہ مٹا دیتا ہے"۔ (حدیث مسلم) (٢)۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "کیا میں تمہیں وہ بات نہ بتاؤں جس سے اللہ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجات بلند کرتا ہے؟" کہا گیا: جی ہاں یا رسول اللہ۔ فرمایا: "ناپسندیدگی کے باوجود وضو کرنا، مساجد کی طرف قدم بڑھانا، اور نماز کے بعد نماز کے انتظار میں رہنا، یہی رباط ہے"۔ (حدیث مسلم) (٣)۔ اور حضرت سہل بن سعد رضی

---

(1) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے (٢٢٠١٦)، امام ترمذی نے (٢٦١٦)، اور ابن ماجہ نے (٣٩٧٣)؛ اور امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اور علامہ البانی نے "صحیح سنن الترمذی" میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

(2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (٤٨٨)۔

(3) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (٢٥١)۔

اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جنت میں ایک دروازہ ہے جسے 'الریان' کہا جاتا ہے، قیامت کے دن روزے دار اس سے داخل ہوں گے، اور اس دروازے سے کوئی اور داخل نہیں ہوگا"۔ (حدیث متفق علیہ) (١)۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے کسی راستے پر چلتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے"۔ (حدیث مسلم) (٢)۔ اور انہیں سے روایت ہے کہ نبی ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو سب سے زیادہ جنت میں داخل کرتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کا تقویٰ اور حسن اخلاق"۔ (حدیث ترمذی) (٣)۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا: "ایک عمرہ دوسرے عمرے تک کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے، اور قبول شدہ حج کا بدلہ جنت کے سوا کچھ نہیں"۔ (متفق علیہ) (٤)۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہم سب کو جنت والوں کے راستے پر چلنے کی توفیق دے اور اس پر ثابت قدم رکھے، کیونکہ وہ بہت بخشنے والا اور کریم ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

☆☆☆

---

(1) اسے امام بخاری نے (١٨٩٦)، اور امام مسلم نے (١١٥٢) روایت کیا ہے۔

(2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (٢٦٩٩)۔

(3) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے (٢٠٠٤) اور کہا: یہ حدیث صحیح ہے، اور امام بخاری نے "الأدب المفرد" میں (٢٨٩) روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے "صحیح الأدب المفرد" میں (٢٢٢) اسے حسن قرار دیا ہے۔

(4) اسے امام بخاری نے (١٧٧٣)، اور امام مسلم نے (١٣٤٩) روایت کیا ہے۔

سبق نمبر 25: دوزخ کی صفت اور اس میں داخلے کے اسباب

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور درود و سلام اللہ کے رسول ﷺ، ان کے اہلِ خانہ، صحابہ اور جو ان کے ولی ہیں، ان سب پر ہو۔ امابعد:

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ہمیں دوزخ کی سخت آگ کے بارے میں خبردار کیا ہے اور اس کے عذاب کی شدت اور خوفناکیاں بتائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ [سورة الزمر: 54]، ترجمہ: (تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی حکم برداری کئے جاؤ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ﴾ [سورة التحریم: 6]، ترجمہ: (اے ایمان والو! تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہیں اور پتھر جس پر سخت دل مضبوط فرشتے مقرر ہیں جنہیں جو حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کی نافرمانی نہیں کرتے بلکہ جو حکم دیا جائے بجا لاتے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ سَلَاسِلَ وَأَغْلَالًا وَسَعِيرًا﴾ ترجمہ: (یقیناً ہم نے کافروں کے لئے زنجیریں اور طوق اور شعلوں والی آگ تیار کر رکھی ہے) [سورة الانسان: 4]۔ اور فرمایا: ﴿يَوْمَ يُسْحَبُونَ فِي النَّارِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ ذُوقُوا مَسَّ سَقَرَ﴾، ترجمہ: (جس دن وہ اپنے منہ کے بل آگ میں گھسیٹے جائیں گے (اور ان سے کہا جائے گا) دوزخ کی آگ لگنے کے مزے چکھو) [سورة القمر: 48]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِذِ الْأَغْلَالُ فِي أَعْنَاقِهِمْ وَالسَّلَاسِلُ يُسْحَبُونَ ۞ فِي الْحَمِيمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُونَ﴾ ترجمہ: (جب ان کی گردنوں میں طوق ہونگے اور زنجیریں ہوں گی گھسیٹے جائیں گے کھولتے ہوئے پانی میں اور پھر جہنم کی آگ میں جلائے جائیں گے)۔ [سورة غافر: 71-72]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا فِي رَبِّهِمْ ۖ فَالَّذِينَ كَفَرُوا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّن نَّارٍ يُصَبُّ مِن فَوْقِ رُءُوسِهِمُ الْحَمِيمُ (19) يُصْهَرُ بِهِ مَا فِي بُطُونِهِمْ وَالْجُلُودُ (20) وَلَهُم مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيدٍ (21) كُلَّمَا أَرَادُوا أَن يَخْرُجُوا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ أُعِيدُوا فِيهَا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ (22)﴾ ترجمہ: (یہ دونوں اپنے رب کے بارے میں اختلاف کرنے والے ہیں، پس کافروں کے لئے تو آگ کے کپڑے ناپ کر کاٹے جائیں گے، اور ان کے سروں کے اوپر سے سخت کھولتا ہوا پانی بہایا جائے گا۔ جس سے ان کے پیٹ کی سب چیزیں اور کھالیں گلا دی جائیں گی۔ اور ان کی سزا کے لئے لوہے کے ہتھوڑے ہیں۔ یہ جب بھی وہاں کے غم سے نکل بھاگنے کا ارادہ کریں گے وہیں لوٹا دیئے جائیں گے اور (کہا جائے گا) جلنے کا عذاب

چکھو)۔[سورۃ الحج: 19-22]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُم بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ ترجمہ:(جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا، انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سواء اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے)۔[سورۃ النساء: 56]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِن يَسْتَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا﴾ ترجمہ:(اگر وہ فریاد رسی چاہیں گے تو ان کی فریاد رسی اس پانی سے کی جائے گی جو تیل کی گرم دھار جیسا ہوگا جو چہرے بھون دے گا بڑا ہی برا پانی ہے اور بڑی بری آرام گاہ (دوزخ) ہے)۔[سورۃ الکہف: 29]۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَسُقُوا مَاءً حَمِيمًا فَقَطَّعَ أَمْعَاءَهُمْ﴾ ترجمہ:(اور جنہیں گرم کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیگا) [سورۃ محمد: 15]۔ دوزخ کی وصف اور اس کے مختلف قسم کے دردناک عذاب سے متعلق کئی اور بھی آیات ہیں۔

○احادیث کی روشنی میں: حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اس دن جہنم کو لایا جائے گا، اس کے ساتھ ستر ہزار لگامیں ہوں گی، اور ہر ایک لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے"۔ (حدیث مسلم) (۱)۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک ایک زور کی آواز (گھمسان یا دھمک) سنائی دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جانتے ہو یہ کیا تھا؟" ہم نے کہا: "اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "یہ ایک پتھر ہے جو ستر (70) برس پہلے جہنم میں پھینکا گیا تھا، اور اب وہ اس کے نیچے تک پہنچا ہے۔" (حدیث مسلم) (۲)۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اگر زقوم کے درخت کا ایک قطرہ بھی دنیا میں گر جائے تو دنیا والوں کی زندگی برباد کر دے، تو پھر جو اسے کھائے گا اس کی حالت کیا ہوگی؟" (حدیث ترمذی) (۳)۔ اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "تین لوگ جنت میں داخل نہیں ہوں گے: نشے کا عادی، قطع رحم کرنے والا، اور جادو پر ایمان رکھنے والا۔ اور جو شخص شراب نوشی کا عادی ہو کر مرا، اللہ تعالیٰ اسے غوطہ

[1] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (٢٨٤٢)۔

[2] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (٢٨٤٤)۔

[3] اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے (٢٥٨٥) اور یہ الفاظ انہی کے ہیں، اور فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے؛ نیز نسائی نے "الکبریٰ" میں (١١٠٧٠) روایت کیا، اور حاکم نے "المستدرک" میں (٣١٥٨) اسے صحیح قرار دیا اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی۔

کے دریا سے پلائے گا۔ پوچھا گیا: غوطہ کا دریا کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: 'ایک ندی ہے جو بدمعاش عورتوں کے پچھواڑے سے بہتی ہے، اور وہ دوزخ والوں کو اس کی بدبو سے تکلیف دیتی ہے "۔ (حدیث احمد (۱))۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "یہود ونصاریٰ سے پوچھا جائے گا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ کہیں گے: اے ہمارے رب! ہمیں پیاس لگی ہے، ہمیں پانی دیدے۔ تو ان کی طرف اشارہ کیا جائے گا: ''کیا تم (اس طرف) نہیں جانا چاہتے؟'' پھر انہیں جہنم کی طرف ہنکایا جائے گا، گویا وہ (جہنم) ایک سراب ہے جو اپنے بعض حصوں کو دوسرے حصوں پر پٹخ رہی ہو، اور وہ جہنم میں گر جائیں گے "۔ (حدیث متفق علیہ (۲))۔

اللہ تعالیٰ نے دوزخ میں جانے کے اسباب اپنی کتاب اور اپنے رسول ﷺ کی زبان سے بیان کیے ہیں تاکہ لوگ ان سے بچیں اور خبردار رہیں۔

ان میں سے ہے: اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ ۖ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾، ترجمہ: (یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کردی ہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا) [سورۃ المائدۃ: 72]، اور فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا ۞ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَّا يَجِدُونَ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾، ترجمہ: (اللہ نے کافروں پر لعنت کی ہے اور ان کے لئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے ۞ جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ وہ کوئی حامی و مددگار نہ پائیں گے)۔ [سورۃ الأحزاب: 64-65]، اور فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيرًا﴾، ترجمہ: (منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے) [سورۃ النساء: 145]۔ اور فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا﴾، ترجمہ: (جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں، وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور عنقریب وہ دوزخ میں جائیں گے) [سورۃ النساء: 10]۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سات مہلک گناہوں سے بچو"۔ پوچھا گیا: یارسول اللہ وہ کیا ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا، جادو کرنا، ایسی جان کو مارنا جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے تحت، سود

---

(1) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے (١٩٥٦٩)، ابن حبان نے (٥٣٤٥)، اور حاکم نے "المستدرک" میں (٧٢٣٤)؛ اور کہا: یہ حدیث صحیح الاسناد ہے، اور ذہبی نے موافقت کی۔

(2) اسے بخاری نے (٤٥٨١) اور مسلم نے (١٨٣) روایت کیا ہے۔

کھانا، یتیم کا مال کھانا، جنگ کے دن بھاگ جانا، اور نیک عورتوں پر الزامات لگانا"۔ (متفق علیہ [۱])۔ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تین افراد ایسے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے جنت کو حرام قرار دیا ہے: شراب کا عادی، والدین کا نافرمان، اور دیّوث، جو اپنے گھر والوں میں بے حیائی کو برداشت کرتا ہے"۔ (مسند احمد [۲])۔ اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "رشوت دینے والا اور رشوت لینے والا دونوں دوزخ میں ہوں گے"۔ (مسند البزار) [۳]۔

یہ وہ کچھ وجوہات ہیں جن کی بنا پر بندہ جہنم کی آگ میں داخل ہوتا ہے، اور ان میں سب سے خطرناک ہے: شرک میں پڑنا، جیسے اللہ کے علاوہ کسی اور سے دعا کرنا، یا قربانی اور نذر غیر اللہ کے لیے کرنا۔

اسی طرح "کفر باللہ"، یعنی اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنا۔

نفاق بھی ایک بڑی وجہ ہے، یعنی ظاہری طور پر اسلام دکھانا اور دل میں کفر رکھنا۔

دوزخ میں جانے کی دیگر وجوہات: ناحق جان لینا، سود کھانا، یتیم کا مال ظلم سے کھانا، جنگ کے دن فرار ہونا، عورتوں پر الزام لگانا، شراب نوشی، رشوت، والدین کی نافرمانی، اور گھر والوں کی بے عزتی کو قبول کرنا۔ مسلمان پر واجب ہے کہ وہ ان سب سے بچے اور ہر اس عمل سے بچے جو اللہ کو ناراض کرے اور بندے کو دوزخ تک لے جائے۔ دنیا کی فانی نعمتوں پر دھوکہ نہ کھائیں اور آخرت کی باقی رہنے والی زندگی کی فکر کریں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قیامت کے دن دُنیا کے سب سے زیادہ عیش و آرام میں رہنے والے جہنمی کو لایا جائے گا، اور اُسے ایک لمحے کے لیے جہنم میں ڈبویا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: "اے ابنِ آدم! کیا تُو نے کبھی کوئی بھلائی دیکھی ہے؟ کیا تُو نے کبھی کوئی نعمت دیکھی ہے؟" وہ کہے گا: "نہیں، خدا کی قسم! اے میرے رب، میں نے کبھی کوئی بھلائی یا نعمت نہیں دیکھی۔" پھر دُنیا میں سب سے زیادہ مصیبت زدہ شخص جو جنتی ہو گا، اُسے لایا جائے گا، اور ایک لمحے کے لیے جنت میں ڈبویا جائے گا، پھر اس سے پوچھا جائے گا: "اے ابنِ آدم! کیا تُو نے کبھی کوئی مصیبت دیکھی ہے؟ کیا تُو نے کبھی کوئی تکلیف جھیلی ہے؟" وہ کہے گا: "نہیں، خدا کی قسم! اے میرے

---

[1] اسے **بخاری** نے (٢٧٦٦)، اور **مسلم** نے (٨٩) روایت کیا ہے۔

[2] اسے **احمد** نے (٥٣٧٢) روایت کیا اور یہ الفاظ انہی کے ہیں، نیز **نسائی** نے "الکبریٰ" میں (٢٣٥٤)، اور **حاکم** نے "المستدرک" میں (٢٤٤) اسے صحیح الاسناد قرار دیا، اور فرمایا کہ بخاری و مسلم نے اسے روایت نہیں کیا۔

[3] اسے **بزار** نے (١٠٣٧)، اور **طبرانی** نے "الاوسط" میں (٢٠٢٦) روایت کیا، اور **ہیثمی** نے "مجمع الزوائد" (٧٠٢٧) میں اس کے رواۃ کو ثقہ قرار دیا، نیز **منذری** نے "الترغیب والترہیب" (٣٣٤٨) میں اس کا ذکر کیا۔

رب، میں نے کبھی کوئی مصیبت نہیں دیکھی، اور نہ ہی کوئی تکلیف محسوس کی"۔ (مسلم) [۱]۔ یہ حدیث ظاہر کرتی ہے کہ دوزخ والے دنیا کی تمام نعمتوں کو بھول جائیں گے، اور جنت والے دنیا کی تمام مشکلات کو بھول جائیں گے۔

"اے ہمارے رب! ہم سے جہنم کے عذاب کو دور فرما، بے شک اس کا عذاب بہت بھاری ہے، وہ بہت برا ٹھکانہ اور قیام گاہ ہے۔ اے اللہ! ہم تجھ سے جنت اور اس کے قریب لے جانے والے ہر قول و عمل کا سوال کرتے ہیں، اور ہم تجھ سے جہنم اور اس کے قریب لے جانے والے ہر قول و عمل سے پناہ مانگتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور تمام صحابہ پر رحمت نازل فرمائے۔

☆☆☆

[1] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (۲۸۰۷)۔

سبق نمبر 26: دعا

تمام تعریفیں اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر، اُن کے آل و اصحاب پر۔ اَمّابعد:

تو بے شک ان چیزوں میں سے جن کا اللہ عز و جل نے ہمیں حکم دیا ہے، اور جن پر اس کے رسول ﷺ نے ہمیں ابھارا ہے، ان میں سے ایک اللہ سے دعا کرنا اور اسی سے مانگنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾، ترجمہ: (اور تمھارے رب نے فرمایا: مجھ سے دعا کرو، میں تمہاری دعا قبول کروں گا، یقیناً جو لوگ میری عبادت سے تکبر کرتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے) [سورہ غافر: 60]، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾، ترجمہ: (اپنے رب سے گڑگڑا کر اور چپکے چپکے دعا کرو، یقیناً وہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا) [سورہ الأعراف: 55]، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾، ترجمہ: (اور زمین میں اس کی اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ، اور اس سے ڈرتے ہوئے اور امید رکھتے ہوئے دعا کرو، بے شک اللہ کی رحمت نیکی کرنے والوں کے قریب ہے) [سورہ الأعراف: 56]، اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ ۚ﴾، ترجمہ: (اور یہ کہ تم ہر سجدہ کے وقت اپنا رخ سیدھا رکھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کرو کہ اس عبادت کو خاص اللہ ہی کے واسطے رکھو) [سورہ الأعراف: 29]۔

اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہے جب وہ اسے پکارتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾، ترجمہ: (جب میرے بندے میرے بارے میں آپ سے سوال کریں تو آپ کہہ دیں کہ میں بہت ہی قریب ہوں ہر پکارنے والے کی پکار کو جب بھی وہ مجھے پکارے قبول کرتا ہوں اس لئے لوگوں کو بھی چاہیے وہ میری بات مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں یہی ان کی بھلائی کا باعث ہے)۔ [سورۃ البقرہ: 186]، اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَمَّن يُجِيبُ الْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوءَ﴾، ترجمہ: (بے کس کی پکار کو جب کہ وہ پکارے، کون قبول کر کے سختی کو دور کر دیتا ہے؟) [سورۃ النمل: 62]۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اللہ تبارک وتعالی سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: "اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم کو حرام کرلیا ہے، اور اسے تمہارے درمیان بھی حرام کردیا ہے، لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو، سوائے اس کے جس کو میں نے ہدایت دی، پس مجھ سے ہدایت مانگو، میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ اے میرے بندو! تم سب بھوکے ہو، سوائے اس کے جس کو میں کھلاتا ہوں، پس مجھ سے کھانا مانگو، میں تمہیں کھلاؤں گا۔ اے میرے بندو! تم سب ننگے ہو، سوائے اس کے جس کو میں نے لباس پہنایا، پس مجھ سے لباس مانگو، میں تمہیں لباس دوں گا۔ اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو، اور میں سب گناہوں کو معاف کرتا ہوں، پس مجھ سے مغفرت مانگو، میں تمہیں معاف کردوں گا"۔ (۱)

دعا کے آداب، احکام اور قبولیت کے مخصوص اوقات ہوتے ہیں:

○ ان چیزوں میں سے جو دعا سے پہلے مستحب ہیں تاکہ دعا کی قبولیت کی امید زیادہ ہو، یہ ہیں: اللہ تعالی کی تمجید و حمد اور نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا۔ جیسا کہ ابوداود اور ترمذی نے حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں: رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو نماز میں دعا کرتے سنا، لیکن اس نے نہ اللہ کی تمجید کی اور نہ نبی ﷺ پر درود بھیجا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اس نے جلدی کی" پھر آپ ﷺ نے اس شخص کو (یا کسی اور کو) بلایا اور فرمایا: "جب تم میں سے کوئی نماز پڑھتا ہے تو اسے چاہیے کہ اپنے رب کی تمجید و حمد سے دعا کا آغاز کرے، پھر نبی ﷺ پر درود بھیجے، پھر جو چاہے دعا کرے"(۲)۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ دعا کی ابتدا اللہ تعالی کی حمد و ثنا اور رسول اللہ ﷺ پر درود سے کرنا مستحب ہے، اور دعا کا اختتام بھی انہی پر ہونا چاہیے"(۳)۔

○ اور بے شک اللہ تعالی کا ہم پر یہ بھی ایک عظیم انعام ہے کہ اس نے کچھ اوقات، جگہیں اور احوال ایسے بنائے ہیں جو دعا کی قبولیت کے لیے زیادہ موزوں ہوتے ہیں۔ ان میں سے:

1- رات کے آخری تہائی حصے میں دعاء کرنا: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہمارا رب تبارک وتعالی ہر رات آسمانِ دنیا پر نازل ہوتا ہے، جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا

---

(1) اِسے **مسلم** نے روایت کیا ہے (۲۵۷۷)۔

(2) اِسے **ابوداود** نے روایت کیا ہے (۱۴۸۱) اور الفاظ انہیں کے ہیں، اور **ترمذی** نے (۳۴۷۷) میں روایت کیا، اور فرمایا: (یہ حدیث حسن صحیح ہے)، اور **شیخ البانی** نے اسے اپنی کتاب أصل صفة صلاة النبي صلى الله عليه وسلم) ۹۹۰/۳ (میں صحیح قرار دیا ہے۔

(3) ملاحظہ ہو: الأذکار، صفحہ (۱۱۷)۔

ہے، اور فرماتا ہے: کون ہے جو مجھے پکارے تاکہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تاکہ میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت طلب کرے تاکہ میں اسے بخش دوں؟"۔(متفق علیہ) (۱)

۲- سجدے کی حالت میں دعا کرنا: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "خبر دار! مجھے رکوع اور سجدہ کی حالت میں قرآن پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔ رکوع کی حالت میں اللہ عزوجل کی عظمت بیان کرو، اور سجدہ کی حالت میں خوب دعا مانگو، کیونکہ یہ زیادہ امید کی حالت ہے کہ تمہاری دعا قبول کی جائے"۔(صحیح مسلم) (۲)۔

۳- اپنے مسلمان بھائی کے لیے اُس کی غیر موجودگی میں دعا کرنا: حضرت صفوان بن عبد اللہ بن صفوان بیان کرتے ہیں کہ ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے ان سے فرمایا: "کیا تم اس سال حج پر جا رہے ہو؟" انہوں نے کہا: "جی ہاں۔" تو انہوں نے فرمایا: "ہمارے لیے اللہ تعالیٰ سے خیر کی دعا کرنا، کیونکہ نبی کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے: "کسی مسلمان کا اپنے بھائی کے لیے اس کی غیر موجودگی میں دعا کرنا قبول ہوتی ہے، اور اس کے سر کے پاس ایک مقرر فرشتہ ہوتا ہے، جب بھی وہ اپنے بھائی کے لیے خیر کی دعا کرتا ہے، تو وہ فرشتہ کہتا ہے: آمین! اور تیرے لیے بھی ایسا ہی ہو!" صفوان کہتے ہیں: "پھر میں بازار گیا اور وہاں ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے بھی مجھ سے وہی حدیث بیان کی، نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہوئے"۔(صحیح مسلم) (۳)

○ اور بے شک دعا کے قبول نہ ہونے کے سب سے بڑے اسباب میں سے ایک: حرام مال کھانا، اور ناجائز تجارتیں و کمائیاں ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور صرف پاک چیز ہی قبول کرتا ہے، اور بے شک اللہ نے مومنوں کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا إِنِّي بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ﴾ [سورۃ المؤمنون: 51] اور فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ﴾ [سورۃ البقرۃ: 172] پھر آپ ﷺ نے ایک شخص کا ذکر فرمایا: جو لمبا سفر کرتا ہے، بکھرے بالوں والا، غبار آلود ہوتا ہے، آسمان کی طرف ہاتھ بلند کرتا ہے، اور کہتا ہے: 'اے میرے رب! اے میرے رب!' حالانکہ اس کا کھانا حرام ہے، اس کا پینا حرام ہے،

---

(1) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ۱۱٤٥) اور یہی الفاظ انہی کے ہیں، نیز امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ۷٥۸)۔

(2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: ٤۷۹)۔

(3) ملاحظہ ہو: شرح المشکاۃ (الکاشف عن حقائق السنن) از الطیبی، جلد ۳، صفحہ ۱۰۱٦۔

اس کا لباس حرام ہے، اور وہ حرام غذا سے پلا بڑھا ہے، تو ایسی حالت میں اس کی دعا کیسے قبول کی جائے؟!"۔(صحیح مسلم) (۱)

اے روزہ دارو! امام ابوداؤد اور دیگر محدثین نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "دعا ہی عبادت ہے" پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ ﴾ [سورہ غافر:60] (۲) اور عبادت اللہ تعالیٰ کا خالص حق ہے، یہ صرف اسی کے لیے خاص ہے اور اسی کو ہی عبادت کا مستحق قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَٰلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ﴾ [سورۃ یوسف:40] اور فرمایا: ﴿فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ [سورۃ الجن:18]

اور لوگوں میں ماضی اور حال میں سب سے زیادہ پھیلنے والے شرک اور کفر کی صورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ عبادت اور دعا کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ یا بجائے اللہ کے، فرشتوں، انبیاء، رسولوں (علیہم الصلاۃ والسلام)، اولیاء، صالحین یا دیگر لوگوں کی طرف موڑ دیا جائے۔ یعنی اللہ کے ساتھ انہیں شریک کر لیا جائے۔ ایسے لوگ ان سے دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں: "**اے اللہ کے رسول! ہماری پریشانی دور کیجیے**"۔ "مدد کیجیے، اے بدوی!"، "اے جیلانی ہماری مدد کیجئے"، "اے حسین ہمیں شفا دیجئے یا"، "اے حسین ہماری حفاظت فرمائیے"، "اے میر غنی ہم پر جو مصیبت آئی ہے اسے دور کرو"، "اے رفاعی اللہ کے لئے کچھ کرو"، اور اسی طرح کی دوسری صورتیں، جن میں عبادت اور دعا کو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے مخصوص کر دیا جاتا ہے، یہ بڑا شرک ہے جو کہ دین اسلام سے خارج کرنے والا ہے، کیونکہ یہ اللہ کے علاوہ کسی ایسے کو پکارنا ہے جو صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔

○ اے روزے داروں! دعا میں آواز بلند کرنا ناپسندیدہ ہے، اور رسول اللہ ﷺ نے اس بات پر سختی سے منع فرمایا ہے کہ کوئی اپنی دعا کی آواز بلند کرے۔ ابو موسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے، اور جب ہم کسی وادی کے کنارے پہنچتے تو ہم اللہ کی تسبیح و تکبیر بلند آواز سے کرتے، تو نبی ﷺ

---

(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (حدیث نمبر: 2733)۔

(2) اسے امام ابوداود (حدیث نمبر: 1479)، امام ترمذی (حدیث نمبر: 2969)، امام ابن ماجہ (حدیث نمبر: 3828)، اور امام احمد (297/30، حدیث نمبر: 18352) نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذی نے کہا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے"، اور امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں اسے صحیح قرار دیا ہے (حدیث نمبر: 890، ج3/172)، امام ابن حجر رحمہ اللہ نے "فتح الباري" (ج1، ص49) میں فرمایا: "اسے سنن کے مصنفین نے اچھے سند کے ساتھ روایت کیا ہے"، اور شیخ البانی رحمہ اللہ نے " صحیح سنن أبي داود" (ج5، ص219) میں کہا: "اس کی سند صحیح ہے"۔

نے فرمایا: "اے لوگو! اپنی آوازیں نیچی رکھو[(١)]، کیونکہ تم گونگے یا غیر موجود کو نہیں پکار رہے ہو، بلکہ اللہ تمہارے ساتھ ہے، وہ تمہارا سننے والا اور قریب ہے، **بزرگی والا ہے اس کا نام اور بلند ہے اس کی عظمت"**۔ (متفق علیہ) [(٢)]، امام طبری رحمہ اللہ نے فرمایا: "اس حدیث سے فہم ہوتا ہے کہ دعا میں آواز بلند کرنا مکروہ ہے، اور یہ قول صحابہ کرام اور تابعین رضی اللہ عنہم کا عمومی موقف ہے[(٣)]"۔

امام الوسی رحمہ اللہ نے فرمایا: "آپ دیکھیں گے کہ آپ کے زمانے کے بہت سے لوگ چیخ وپکار پر انحصار کرتے ہیں، خاص طور پر مساجد میں دعا کے دوران، یہاں تک کہ شور وغل بہت بڑھ جاتا ہے اور شدت اختیار کرلیتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ انہوں نے دو بدعتوں کو اکٹھا کرلیا ہے: دعا میں آواز بلند کرنا، اور اس کا مسجد کے اندر ہونا"[(٤)]۔

نماز فرض کے بعد امام کا جماعت کے ساتھ بلند آواز سے دعاء کرنا اور لوگ پیچھے سے آمین کہنا، اسلامی شریعت میں معروف نہیں ہے، نہ رسول اللہ ﷺ نے ایسا کیا، نہ ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، نہ اہل القرون الٔاولی، نہ چاروں مذاہب کے ائمہ، اور نہ ان کے شاگردوں نے۔ بلکہ یہ حرام بدعتوں میں سے ہے۔

فقیہ الشاطبیؒ المالکی رحمہ اللہ نے فرمایا: "نماز کے بعد امام کا جماعت کے لیے دعا کرنا سنت میں ثابت نہیں ہے، بلکہ سنت کے خلاف ہے۔ جو طریقہ ہمیں پیروی کرنا چاہیے وہ سید المرسلین محمد ﷺ کا طریقہ ہے، اور جو عمل نماز کے بعد آپ سے ثابت ہے وہ یا تو محض ذکر ہے جس میں دعا شامل نہیں، یا پھر ایسی دعا ہے جو وہ اپنے لیے خاص کرتے تھے، اور اس بات کی کوئی سند نہیں کہ انہوں نے جماعت کے لیے دعا کی ہو، اور یہ حال ان کی زندگی بھر رہا۔ پھر خلفائے راشدین، اور بعد میں صالح سلف نے بھی یہی طریقہ اختیار کیا[(٥)]"۔

اے روزے دارو! علما کے نزدیک دعا میں جو چیز حرام ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا اور سوال کرتے ہوئے کسی مخلوق کی جاہ یا حق کے واسطے سے سوال کیا جائے، جیسے بعض لوگ اللہ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

([1]) یعنی: اپنی جانوں پر نرمی کرو اور اپنی آوازوں کو پست رکھو، کیونکہ آواز بلند کرنا تو اس وقت ہوتا ہے جب آدمی کسی دور والے کو مخاطب کرتا ہے تاکہ وہ اسے سن سکے، حالانکہ تم تو اللہ تعالیٰ کو پکار رہے ہو، اور وہ نہ بہرا ہے اور نہ غائب، بلکہ وہ سمیع وقریب ہے، اور اپنے علم اور احاطہ کے ساتھ تمہارے ساتھ ہے۔ مراجعہ کریں: شرح النووي علی مسلم (١٧/٢٦)۔

([2]) اسے بخاری (٢٩٩٢) نے روایت کیا ہے اور یہی الفاظ ہیں، اور مسلم (٢٧٠٤) نے بھی روایت کیا ہے۔

([3]) ابن بطال کی "شرح صحیح البخاری" (٥/١٥٢) اور ابن حجر کی "فتح الباري" (٦/١٣٥) میں یہ موجود ہے، لیکن طبری کی مطبوعہ کتب میں ہمیں یہ نہیں ملا۔

([4]) مراجعہ کریں: روح المعاني (٤/٣٧٩)۔

([5]) مراجعہ کریں: فتاوی الشاطبی، صفحہ (١٢٧)۔

"اللهم إني أسألك بجاه أو بحق نبيك محمد صلى الله عليه وسلم، أو بجاه الأنبياء، أو بجاه عبادك الصالحين، أو بحق هذه الجمعة" کیونکہ دعا میں جاہ یا حق کا ذکر قرآن مجید کی کسی نص یا صحیح حدیث نبویہ میں نہیں آیا، نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا تابعین رحمہم اللہ کے عمل میں اس کی کوئی سند ہے۔ اور جو بھی ایسی بات ہو، علماء اسے بدعت سمجھتے ہیں، اور بدعت حرام ہے، بلکہ یہ معصیت سے بھی بڑی ہے[1]۔ واللہ أعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور تمام صحابہ پر رحمت نازل فرمائے۔

☆☆☆

---

[1] مراجعہ کریں: مجموع فتاوی ابن تیمیہ (472،452/11) اور مدارج السالکین (332/1)۔

سبق نمبر 27: اعمال کے قبول ہونے کے شرائط

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں، اور سلامتی ہو رسول اللہ ﷺ، ان کے اہل بیت، صحابہ کرام اور جن کے وہ ولی ہیں پر، بعدہ:

بعض لوگ عبادت کے ذریعے اللہ کے قریب ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اور اپنی پوری طاقت اس میں صرف کرتے ہیں، لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ ان کا عمل قبول نہیں کرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی عبادت اس شرط کے بغیر کرتے ہیں جو عمل کے قبول ہونے کے لئے ضروری ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی مسلم کا عمل قبول نہیں کرتا جب تک کہ اس میں دو شرطیں پوری نہ ہوں: اخلاص اور اتباع (رسول ﷺ کی پیروی)۔

شیخ ابن سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "پس اللہ تعالیٰ وہی عمل قبول فرماتا ہے جو مومن، مخلص، رسولوں کی تصدیق کرنے والے، اور اُن کے طریقے کی پیروی کرنے والے کی طرف سے صادر ہو"۔ (۱)

○ پہلی شرط: عبادت کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کرنا ہے، اور یہ اس طرح کہ عبادت کو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے نہ کیا جائے، کیونکہ عبادت خالصتاً اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا حق ہے۔ اس میں شامل ہے: اللہ تعالیٰ ہی کو پکارنا، اسی کے لیے ذبح کرنا، اور اسی کے لیے نذر ماننا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ [سورۃ غافر: 60]، ترجمہ: (اور تمہارے رب کا فرمان (سرزد ہو چکا) ہے کہ مجھ سے دعا کرو میں تمہاری دعاؤں کو قبول کروں گا، یقین مانو کہ جو لوگ میری عبادت سے خود سری کرتے ہیں وہ ابھی ابھی ذلیل ہو کر جہنم پہنچ جائیں گے)۔ اور فرمایا: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [سورۃ الکوثر: 2]، ترجمہ: (پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر)۔ اور فرمایا: ﴿وَمَا أَنفَقْتُم مِّن نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُم مِّن نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ﴾ [سورۃ البقرۃ: 270]، ترجمہ: (تم جتنا کچھ خرچ کرو یعنی خیرات اور جو کچھ نذر مانو اسے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں)۔ امام ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا: "اللہ تعالیٰ ان تمام نیکیوں کو جانتا ہے جو لوگ خرچ کرتے ہیں یا نذر مانتے ہیں، اور اس آیت میں اس بات کا بھی وعدہ شامل ہے کہ اللہ ان

---

(1) دیکھیے: تفسیر ابن سعدی، صفحہ (۵۸۱)۔

اعمال کے کرنے والوں کو ان کے عمل کے مطابق بہترین جزاءعطافرمائے گا، بشرطیکہ وہ یہ سب کچھ صرف اسی کی رضا اور اس کے وعدے کے حصول کے لیے کریں"(۱)۔

لہٰذا کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اللہ تعالی کے سوا کسی اور کو پکارے، یا اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ذبح کرے یا نذر مانے۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا﴾ [سورۃ الجن:18]، ترجمہ: (اور یہ مسجدیں صرف اللہ ہی کے لئے خاص ہیں پس اللہ تعالی کے ساتھ کسی اور کو نہ پکارو)۔ اور حضرت علی بن أبي طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالی نے اُس شخص پر لعنت فرمائی جو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے ذبح کرے" (صحیح مسلم) (۲) پس جو بھی شخص عبادت کا کوئی عمل اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے بجالاتا ہے، جیسے وہ عمل اصحابِ قبور (قبروں والوں)، جنّات، یا شیاطین کے لیے کرتا ہو——تو وہ شرکِ اکبر میں مبتلا ہو گیا، جو تمام عبادات کو باطل کر دیتا ہے، اور اگر وہ اسی حال میں مر گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہنے کا موجب بنتا ہے۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ عِندَ رَبِّهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ﴾ [سورۃ المؤمنون:117]، ترجمہ: (جو شخص اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو پکارے جس کی کوئی دلیل اس کے پاس نہیں، پس اس کا حساب تو اس کے رب کے اوپر ہی ہے۔ بیشک کافر لوگ نجات سے محروم ہیں)۔ اور فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أُوحِيَ إِلَيْكَ وَإِلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِكَ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [سورۃ الزمر:65]، ترجمہ: (یقیناً تیری طرف بھی اور تجھ سے پہلے (کے تمام نبیوں) کی طرف بھی وحی کی گئی ہے کہ اگر تو نے شرک کیا تو بلاشبہ تیرا عمل ضائع ہو جائے گا اور بالیقین تو زیاں کاروں میں سے ہو جائے گا)۔ اور فرمایا: ﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنصَارٍ﴾ [سورۃ المائدۃ: 72]، ترجمہ: (یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ تعالی نے اس پر جنت حرام کر دی ہے، اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے اور گناہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ہوگا)۔

اور اللہ کے لیے عبادت میں اخلاص کا مطلب یہ بھی ہے کہ عبادت کا مقصد صرف اللہ کا چہرہ (رضا و قرب) ہو، اور اس سے کوئی اور مقصود نہ ہو، جیسے لوگوں کی تعریف یا ان کی ثناء۔ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [سورۃ البینۃ:5]، ترجمہ: (انہیں اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا کہ صرف اللہ کی عبادت کریں اسی کے لئے دین کو خالص رکھیں)، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ

---

(1) دیکھیے: تفسیر ابن کثیر (جلد ۱، صفحہ ۷۰۵)۔

(2) اس کی تخریج مسلم نے کی ہے (حدیث نمبر ۱۹۷۸)۔

ﷺ نے فرمایا: اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: "میں شرک سے سب سے زیادہ بے نیاز ہوں، جس نے کوئی عمل کیا جس میں میرے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کیا، تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں" (صحیح مسلم)۔ (۱)

اور حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تمہارے بارے میں مجھے سب سے زیادہ جس چیز کا خوف ہے، وہ شرکِ اصغر ہے"۔ صحابہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! شرکِ اصغر کیا ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "ریاکاری" (مسند احمد)۔ (۲)

پس جس نے روزہ رکھا، یا نماز پڑھی، یا صدقہ دیا، اور ان اعمال کے ذریعے اللہ کے سوا کسی اور کو راضی کرنا چاہا، تو اس کا عمل اس پر مردود ہے"۔ اور جو شخص اپنے نفس پر ریاکاری (دکھاوے) کا خوف رکھتا ہو، تو اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ عبادت کو چھوڑ دے، بلکہ اس پر لازم ہے کہ وہ عبادت میں جلدی کرے، اپنے نفس اور شیطان سے جہاد کرے، اور اللہ تعالیٰ سے اخلاص مانگے۔ اور اس کے لیے وہ دعا مانگے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھائی ہے۔ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! شرک چیونٹی کے رینگنے سے بھی زیادہ مخفی ہوتا ہے، کیا میں تمہیں ایسی چیز نہ بتاؤں کہ جب تم وہ کہو تو اس کا تھوڑا یا زیادہ (اثر) سب ختم ہو جائے؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "کہو: اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ أَنْ أُشْرِكَ بِكَ وَأَنَا أَعْلَمُ، وَأَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا أَعْلَمُ" (اے اللہ! میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ میں جان بوجھ کر تیرے ساتھ شرک کروں، اور میں تجھ سے معافی مانگتا ہوں اس شرک پر جو انجانے میں صادر ہو)۔ (الأدب المفرد) (۳)

دوسری شرط: نبی کریم ﷺ کی پیروی (اتباع): قبولِ عمل کی دوسری شرط نبی کریم ﷺ کی اتباع ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف اسی طریقے پر کی جائے جو رسول اللہ ﷺ نے ہمیں سکھایا ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ [سورۃ آل عمران: 31]، ترجمہ: "کہہ دو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے"۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت

---

(1) اس کی تخریج امام مسلم نے کی ہے (حدیث نمبر ۲۹۸۵)۔

(2) اس کی تخریج امام احمد نے کی ہے (حدیث نمبر ۲۳۶۳۰)، اور الطبرانی نے الکبیر میں (۴۳۰۱)، والبیھقي نے الشُّعب میں (۶۴۱۲) نقل کیا، اور شیخ الألبانی نے صحیح الترغیب والترھیب میں (۳۲) اسے صحیح قرار دیا۔

(3) اس کی تخریج امام بخاری نے الأدب المفرد میں کی ہے (حدیث نمبر ۷۱۶)، اور شیخ الألبانی نے صحیح الأدب المفرد میں (۲۶۶) اسے صحیح قرار دیا۔

ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هَذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» (بخاری و مسلم) [1] ترجمہ: "جس نے ہمارے دین میں کوئی نیا کام (بدعت) نکالا جو اس میں سے نہیں ہے، تو وہ مردود ہے"۔ اور صحیح مسلم [2] کی ایک روایت میں ہے: «مَنْ عَمِلَ عَمَلًا لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ» ترجمہ: "جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے طریقے کے مطابق نہیں، وہ مردود ہے"۔ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: کہ انہوں نے کچھ لوگوں کو مسجد میں حلقوں میں بیٹھے ہوئے دیکھا، جو نماز کا انتظار کر رہے تھے، ہر حلقے میں ایک شخص تھا، اور ان کے ہاتھوں میں کنکریاں تھیں، وہ کہتا: سو مرتبہ اللہ اکبر کہو، تو وہ سو مرتبہ اللہ اکبر کہتے، وہ کہتا: سو لا إله إلا الله کہو تو وہ سو مرتبہ لا إله إلا الله کہتے، وہ کہتا: سو مرتبہ سبحان اللہ کہو"، تو وہ کہتے۔ تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہ کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے جواب دیا: "اے ابو عبد الرحمٰن! ہم کنکریوں کے ذریعے تکبیر، تہلیل اور تسبیح گن رہے ہیں۔" حضرت ابن مسعود نے فرمایا: "اپنے گناہوں کو گنو، میں اس بات کا ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ افسوس ہے تم پر، اے محمد ﷺ کی امت! تمہاری ہلاکت کتنی جلدی آ گئی! ابھی تو تمہارے نبی ﷺ کے صحابہ موجود ہیں، ابھی تو آپ ﷺ کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے، آپ ﷺ کے برتن نہیں ٹوٹے، اور تم ایسی ملت پر ہو جو محمد ﷺ کی ملت سے زیادہ ہدایت یافتہ ہے؟ یا تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو؟" انہوں نے کہا: "اللہ کی قسم! اے ابو عبد الرحمٰن، ہمارا مقصد تو صرف بھلائی تھا۔" حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کتنے ہی خیر کے طلبگار ہیں، مگر خیر کو پا نہیں سکتے!" (سنن الدارمی)۔ [3]

اور اس سے ہر مسلمان پر واضح ہو جاتا ہے کہ بدعتی عبادات جیسے اجتماعی ذکر، یا جسے "عید میلاد" (مولد) کہا جاتا ہے، یا اللہ کا قرب حاصل کرنے کے لیے رقص کرنا، یہ تمام اعمال مردود (ناقابل قبول) ہیں، کیونکہ یہ نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقے کے خلاف ہیں، چاہے ان کے کرنے والے کتنی ہی اخلاص یا نیک نیتی کا دعویٰ کریں۔

اور اسی طرح بعض لوگوں کے ہاں بدعتِ امساک بھی پائی جاتی ہے، یعنی وہ سحری کے وقت فجر کے داخل ہونے سے دس منٹ پہلے یا کم و بیش کھانے پینے سے رک جاتے ہیں، اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ یہ عبادت میں احتیاط کا طریقہ ہے۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم عبادت کے معاملے میں سب سے زیادہ محتاط اور

---

[1] اس کی تخریج امام بخاری نے کی ہے (حدیث نمبر ٢٦٩٧)، اور مسلم نے (حدیث نمبر ١٧١٨)۔

[2] اس کی تخریج امام مسلم نے روایت کی ہے (حدیث نمبر ١٧١٨)۔

[3] اس کی تخریج امام دارمی نے روایت کی ہے (حدیث نمبر ٢١٠)، اور شیخ الألبانی نے السلسلة الصحيحة میں (٢٠٠٥) اسے صحیح قرار دیا۔

حریص تھے، لیکن اس کے باوجود انہوں نے فجر سے پہلے ایسا "احتیاطی امساک" نہیں کیا۔ اور اگر اس میں کوئی خیر ہوتا تو وہ ضرور ہم سے پہلے اس پر عمل کرتے۔

لہٰذا ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی عبادت کی حفاظت کرے، اور اسے ہر اُس چیز سے پاک رکھے جو اُس کو فاسد کرنے والی ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کی عبادت کو اُس وقت تک قبول نہیں فرماتا جب تک اُس میں دو شرطیں نہ پائی جائیں: **اللہ کے لیے اخلاص** اور **رسول اللہ ﷺ کی پیروی** یہی دونوں شرطیں درحقیقت دونوں شہادتوں کا تقاضا ہیں: "شہادت کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں" "اور شہادت کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔

اے ہمارے رب! تُو ہم سے (یہ عمل) قبول فرما، بیشک تُو خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے، اور ہم پر توبہ قبول فرما، بے شک تُو ہی بہت توبہ قبول کرنے والا، بہت رحم کرنے والا ہے، واللہ اعلم۔

اور اللہ کی رحمتیں اور سلامتی ہوں ہمارے نبی محمد ﷺ پر، اور آپ کے آل وصحابہ کرام پر تمام کے تمام۔

☆☆☆

سبق نمبر 28: زکوۃ الفطر

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور درود و سلام ہوں ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل و صحابہ پر۔ **بعد ازاں:**

رمضان کے مہینے کے اختتام پر اللہ تعالی نے اپنے بندوں پر زکوۃ الفطر فرض فرمائی ہے، جو نفس و جسم کی زکوۃ ہے، یہ مال کی زکوۃ نہیں اور اسے **فطرہ یا صدقۃ الفطر** کہا جاتا ہے۔

زکوۃ الفطر ہر مسلمان پر واجب ہے، خواہ وہ بڑا ہو یا چھوٹا، مرد ہو یا عورت، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرض فرمایا: "زکوۃ الفطر ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو کا، غلام و آزاد، مرد و عورت، چھوٹے و بڑے مسلمانوں پر فرض ہے"۔ (متفق علیہ)[1]

یہ مستحب ہے کہ اس کا اخراج اس جنین کے لیے بھی کیا جائے جس میں روح پھونکی جا چکی ہو، یعنی چار ماہ کا حمل مکمل ہو چکا ہو؛ کیونکہ سلف صالحین اس کا صدقہ نکالتے تھے، جیسا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر سے بھی وارد ہے۔

اور **فرض ہے کہ** ہر شخص اپنے لیے اور جن پر اس کی کفالت ہے، جیسے بیوی یا رشتہ دار، ان کے لیے بھی زکوۃ الفطر ادا کرے۔

اور زکوۃ الفطر نکالنا صرف ان لوگوں پر واجب ہے جن کے پاس اپنی اور اپنے ماتحتوں کی روٹی کپڑا سے زائد ایسی چیزیں ہوں جن سے وہ زکوۃ ادا کر سکیں، اور جو اپنی اور اپنے کفیلوں کی اصل ضروریات کے علاوہ ہوں، کیونکہ اصل ضروریات پہلے ادا کی جانی چاہئیں۔ اس لیے زکوۃ الفطر سے پہلے وہ ادا کی جائیں۔ جیسا کہ جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اپنے نفس سے شروع کرو، پھر اپنے اہل و عیال پر صدقہ کرو، اگر کچھ بچ جائے تو باقی لوگوں پر"۔ (مسلم) [2]

زکوۃ الفطر کے وجوب کے لیے دو شرطیں ہیں:

---

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (1503)، اور امام مسلم نے بھی (984) روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

[2] اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (997)۔

ا-اسلام: کافر پر زکوۃ الفطر واجب نہیں ہے؛ جیسا کہ نبی ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کے سابقہ حدیث میں فرمایا: «... مسلمانوں میں سے»۔

۲-اس کے پاس اپنی اور اپنے اہل خانہ کی روٹی کپڑا اور عید کے دن اور رات کی اصل ضروریات سے زائد مال ہونا۔

زکوۃ الفطر کے مشروع ہونے کی حکمتیں درج ذیل ہیں:

1-روزہ دار کی صفائی اور پاکیزگی، تاکہ روزے میں جو لغو اور فحش باتیں اس سے ہو گئی ہوں، وہ پاک ہو جائیں۔

2-غریبوں اور محتاجوں کو عید کے دن سوال کرنے سے بچانا اور ان کے چہروں پر خوشی اور مسرت لانا، تاکہ عید پورے معاشرے کے لیے خوشی اور جشن کا دن بن جائے۔

اس بات کی دلیل یہ ہے: ابن عباس رضی اللہ عنہما کا حدیث ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ الفطر فرض کی تاکہ روزہ دار کو لغو اور فحش باتوں سے پاک کیا جائے اور مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے"۔(ابوداؤد) [۱]

3-اللہ کی نعمت کا شکر ظاہر کرنا کہ اس نے بندے کو رمضان کے روزے اور عبادات کی توفیق دی، اور اس مبارک مہینے میں جو بھی نیک عمل کر سکے، وہ انجام دیئے۔

زکاۃ الفطر کا واجب صدقہ عام طور پر شہر کے عام کھانے کی چیزوں میں سے ایک صاع ہوتا ہے، جیسے کہ گندم، کھجور، کشمش، اقط (پنیر)، چاول، مکئی، یا کوئی اور چیز، کیونکہ نبی ﷺ کی مستند احادیث اس کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ایک صاع کا وزن تقریباً تین کلو گرام کے قریب ہوتا ہے [۲]۔

---

[1] اسے ابوداود (1609)، ابن ماجہ (1827)، اور حاکم (409/1) نے روایت کیا ہے، اور حاکم نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، جبکہ امام نووی نے اس کی سند کو "المجموع" (85/6) میں حسن کہا ہے، اور علامہ البانی نے اسے "إرواء الغليل" (843) میں حسن قرار دیا ہے۔

[2] یہ (صدقۂ فطر) کی مقدار اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء کا اندازہ ہے، اور یہی زیادہ احتیاط والا ہے۔ شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے اچھی قسم کی گیہوں (گندم) کی مقدار 2.040 کلو گرام (دو کلو اور چالیس گرام) بیان کی ہے، جبکہ چاول کی مقدار 2.100 کلو گرام (دو کلو اور سو گرام) بتائی ہے۔ ملاحظہ کریں: مجموع فتاوی و رسائل الشیخ ابن عثیمین (18/274، 277)۔

یہ بھی جائز ہے کہ ایک جماعت اپنی زکاۃ الفطر کسی ایک شخص کو دے دے، یا ایک شخص اپنی زکاۃ الفطر کئی لوگوں کو دے، جیسے کہ اگر کوئی ایک صاع تین محتاجوں کو دے تو ہر ایک کو ایک تہائی صاع دیا جائے۔

نقدی قیمت دینا جائز نہیں کیونکہ یہ اس حکم کے خلاف ہے جو رسول اللہ ﷺ نے دیا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عمل کے بھی خلاف ہے، کیونکہ وہ زکاۃ الفطر ہمیشہ صاع کے برابر خوراک کی صورت میں ادا کرتے تھے۔

زکاۃ الفطر کے واجب ہونے کا وقت: عید کی رات سورج غروب ہونے کے وقت سے زکاۃ الفطر واجب ہوتا ہے، کیونکہ تب رمضان کا روزہ ختم ہوتا ہے۔ زکاۃ الفطر کے نکالنے کے دو اوقات ہیں: وقت فضیلت اور وقت جواز۔

وقت فضیلت: یہ فجر کے طلوع ہونے سے لے کر عید کی نماز کے قبل تک کا وقت ہے۔ جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ: "زکاۃ الفطر نماز عید کے لیے لوگوں کے نکلنے سے پہلے ادا کی جائے"۔ (متفق علیہ) [١]

اور جواز کا وقت: عید سے ایک یا دو دن پہلے ہے؛ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اسی طرح زکاۃ الفطر ایک یا دو دن پہلے [٢] ادا کیا کرتے تھے۔ اور عید کی نماز کے بعد اسے نکالنا جائز نہیں، اگر کسی نے نماز کے بعد نکالا تو وہ عام صدقہ ہوگا، جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو اس کو نماز سے پہلے ادا کرے، وہ قبول شدہ زکاۃ ہے، اور جو نماز کے بعد ادا کرے، وہ عام صدقہ ہے"[٣]۔ (أبوداود) [٤]

زکاۃ الفطر کا مصرف صرف فقراء اور مساکین ہیں، نہ کہ زکاۃ کے آٹھ وں اصناف؛ جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے روایت میں آیا ہے: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکاۃ الفطر فرض کی تاکہ روزہ دار کی صفائی ہو لغو و رفث سے، اور تاکہ مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے"۔

---

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (1509)، اور امام مسلم نے بھی (986) روایت کیا ہے، اور یہ الفاظ مسلم کے ہیں۔

[2] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (1511)۔

[3] اس جملے " **صدقة من الصدقات** " کا مطلب ہے: ایسا صدقہ جو عام دنوں میں بھی کی جاتی ہے، یعنی نفل صدقہ۔

[4] اسے ابوداود (1609)، ابن ماجہ (1827)، اور حاکم (409/1) نے روایت کیا ہے، اور حاکم نے کہا کہ یہ بخاری کی شرط پر صحیح ہے، اور ذہبی نے ان کی موافقت کی۔ امام نووی نے المجموع (85/6) میں اس کی سند کو حسن قرار دیا، اور شیخ البانی نے إرواء الغلیل (843) میں حسن کہا۔

علامہ ابن القیم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "نبی ﷺ کا معمول یہ تھا کہ اس صدقہ (یعنی صدقہ فطر) کو خاص طور پر مسکینوں کو دیا کرتے تھے، اور اسے آٹھوں مستحق طبقات میں تقسیم نہیں کیا، نہ ہی اس کا حکم دیا، اور نہ ہی آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا بعد کے لوگوں میں سے کسی نے ایسا کیا"۔(۱)

اپنے نفسوں کی پاکیزگی کے لیے، اور اپنی برائیوں کے کفارہ کے طور پر، زکاۃ الفطر کو اس کے شرعی وقت پر ادا کرنے کا خاص خیال رکھیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ اسے آپ کے لیے طہارت اور بخشش کا ذریعہ بنائے، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے آل اور صحابہ کرام پر رحمت نازل فرمائے۔

☆☆☆

(1) ملاحظہ کریں: زاد المعاد (2/21)۔

سبق نمبر29: رمضان کا اختتام

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے آل اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

دنیا کی ہر شروعات کا ایک اختتام ہوتا ہے، اور رمضان کا مہینہ اپنی روانگی کے قریب ہے۔ یہ مہینہ آپ کے اعمال کا گواہ ہے، جس نے بھی اس مہینے میں اچھا عمل کیا ہے، اسے چاہیے کہ اللہ کا شکر ادا کرے اور بہترین اجر کا مستحق ہونے پر خوش ہو اور یقین رکھے کہ اس کا اجر ضائع نہیں ہوگا۔ اور اسے نیکی کے مزید کام کرنے چاہئیں کیونکہ نیک عمل کی قبولیت کی نشانی ہے کہ اس کے بعد مزید نیکیاں کی جائیں۔ اور جو کوئی گناہگار رہا ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ کی طرف خالص توبہ کرے، کیونکہ اللہ توبہ کرنے والوں کو قبول کرتا ہے، اور جو اس کی طرف لوٹتا ہے اسے بخش دیتا ہے۔ توبہ اللہ کی ان نعمتوں میں سے ہے جو اس نے اپنی مخلوق پر نازل فرمائی ہیں، اور قرآن و حدیث میں بارہا توبہ کی تاکید کی گئی ہے اور یہ دکھایا گیا ہے کہ اگر بندہ سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ اسے قبول فرمالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ترجمہ: (اے مسلمانو! تم سب کے سب اللہ کی جناب میں توبہ کرو تاکہ نجات پاؤ) [سورۃ النور: 31]۔ اور فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ﴾ ترجمہ: (وہی ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے) [سورۃ الشوریٰ: 125]۔ اور فرمایا: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۞ وَأَنِيبُوا إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَأَسْلِمُوا لَهُ مِن قَبْلِ أَن يَأْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ﴾ ترجمہ: (میری جانب سے) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ، بالیقین اللہ تعالیٰ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے، واقعی وہ بڑی، بخشش بڑی رحمت والا ہے، تم (سب) اپنے پروردگار کی طرف جھک پڑو اور اس کی حکم برداری کئے جاؤ اس سے قبل کہ تمہارے پاس عذاب آجائے اور پھر تمہاری مدد نہ کی جائے)۔ [سورۃ الزمر: 53، 54]۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جل جلالہ گناہوں کو نیک اعمال میں بدل دیتا ہے سچے توبہ کرنے والوں کے لئے، جیساکہ فرمایا: ﴿إِلَّا مَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ يُبَدِّلُ اللَّهُ سَيِّئَاتِهِمْ حَسَنَاتٍ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ترجمہ: (سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور نیک کام کریں، ایسے لوگوں کے گناہوں کو اللہ تعالیٰ نیکیوں سے بدل دیتا ہے اللہ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے)۔ [سورۃ الفرقان: 70]۔

توبہ سب سے افضل عبادات اور سب سے عظیم قربتوں میں سے ہے جن کے ذریعے ہم اپنے رب سبحانہ وتعالیٰ کے قرب حاصل کرتے ہیں۔ یہ نبیوں اور رسولوں علیہ السلام کی سنت رہی ہے، اور نیک مومنین کی بھی عادت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام، جو انسانوں کے سردار ہیں، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَتَلَقَّىٰ آدَمُ مِن رَّبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ﴾ ترجمہ: ((حضرت) آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب سے چند باتیں سیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی، بیشک وہ ہی توبہ قبول کرنے والا ہے) [سورۃ البقرۃ: 37]۔ اور فرمایا: ﴿وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۞ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ﴾ ترجمہ: (آدم (علیہ السلام) نے اپنے رب کی نافرمانی کی پس بہک گیا ۞ پھر اس کے رب نے نوازا، اس کی توبہ قبول کی اور اس کی راہنمائی کی) [سورۃ طہٰ: 121-122]۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے اور توبہ کرتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنظُرْ إِلَيْكَ ۚ قَالَ لَن تَرَانِي وَلَٰكِنِ انظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ۚ فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ جَعَلَهُ دَكًّا وَخَرَّ مُوسَىٰ صَعِقًا ۚ فَلَمَّا أَفَاقَ قَالَ سُبْحَانَكَ تُبْتُ إِلَيْكَ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ترجمہ: (اور جب موسیٰ (علیہ السلام) ہمارے وقت پر آئے اور ان کے رب نے ان سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجئے کہ میں ایک نظر تم کو دیکھ لوں ارشاد ہوا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن تم اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس جب ان کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرخچے اڑا دیئے اور موسیٰ (علیہ السلام) بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بیشک آپ کی ذات پاک ہے میں آپ کی جناب میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے آپ پر ایمان لانے والا ہوں)۔ [سورۃ الاعراف: 143]۔ اور توبہ وہ عبادت ہے جس پر ہمارے نبی و حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ عمل کرتے تھے، جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ فرماتے تھے: "اللہ کی قسم، میں روزانہ ستر سے زیادہ بار اللہ سے استغفار کرتا اور توبہ کرتا ہوں"۔ (صحیح البخاری) (۱)

اور الْأَغَرِّ الْمُزَنِي رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "میں روزانہ سو مرتبہ اللہ سے استغفار کرتا ہوں"۔ (صحیح مسلم) (۲)۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ سے محبت کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ اپنے بندے کی توبہ پر اس وقت زیادہ خوش ہوتا ہے جب وہ توبہ کرتا ہے، بالکل ایسے جیسے تم میں سے کوئی شخص

---

(1) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (6307)۔

(2) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (2702)۔

اپنے اونٹ پر صحرائے ویران میں ہوتا ہے اور اس کا اونٹ کھو جاتا ہے جس پر اس کا کھانا اور پانی ہوتا ہے، وہ اس سے مایوس ہو جاتا ہے، پھر وہ کسی درخت کے نیچے لیٹ جاتا ہے کیونکہ وہ اپنے اونٹ سے مایوس ہو چکا ہوتا ہے، جبکہ اچانک وہ اونٹ درخت کے نیچے اس کے پاس کھڑا ہوتا ہے، وہ اسے لگام سے پکڑتا ہے اور خوشی سے کہتا ہے: 'اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔' وہ اتنی خوشی میں غلطی کر بیٹھتا ہے"۔(صحیح مسلم) (۱)۔

رسولوں علیہم السلام نے اپنی قوموں کو اللہ کی وحدانیت اور توبہ کا حکم بار بار دیا۔ مثلاً، حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ﴾ (سورۃ ہود: 52) یعنی: "اے میری قوم! اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو تاکہ وہ تم پر آسمان سے برسات بھیجے اور تمہاری طاقت میں اضافہ کرے، اور مجرموں کی طرح منہ نہ موڑو"۔ اسی طرح حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا: ﴿وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ هُوَ أَنشَأَكُم مِّنَ الْأَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي قَرِيبٌ مُّجِيبٌ﴾ (سورۃ ہود: 61) یعنی: "اور تمہارے بھائی صالح نے تم سے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، تمہارے لیے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا، پس اس سے بخشش طلب کرو اور اس کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب قریب ہے، دعا قبول کرنے والا ہے۔" حضرت شعیب علیہ السلام بھی اپنی قوم سے فرماتے ہیں: ﴿وَاسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ إِنَّ رَبِّي رَحِيمٌ وَدُودٌ﴾ (سورۃ ہود: 90) یعنی: "اور اپنے رب سے بخشش طلب کرو پھر اس کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب مہربان اور محبت کرنے والا ہے۔" ہمارے نبی اور رہنما محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّنِي لَكُم مِّنْهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ وَأَنِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُمَتِّعْكُم مَّتَاعًا حَسَنًا إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى وَيُؤْتِ كُلَّ ذِي فَضْلٍ فَضْلَهُ وَإِن تَوَلَّوْا فَإِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيرٍ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ (سورۃ ہود: 2-4) یعنی: "اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، میں تمہارے لیے اس کی طرف سے خبردار کرنے والا اور خوشخبری دینے والا ہوں، اور کہو اپنے رب سے بخشش مانگو پھر اس کی طرف توبہ کرو تاکہ وہ تمہیں اچھی مدت تک مہلت دے اور ہر صاحب فضل کو اس کا فضل دے، اور اگر تم منہ موڑ لو تو میں تمہارے لیے بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، تم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے"۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توبہ کرنے کا حکم دیتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا تُوبُوا إِلَى اللَّهِ تَوْبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي

---

(1) اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے (2747) اور امام بخاری نے بھی ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہم معنی روایت کی ہے (6308)۔

﴿مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ (سورۃ التحریم: 8) یعنی: "اے ایمان والو! خالص توبہ کرو، شاید تمہارا رب تمہارے گناہوں کو معاف کردے اور تمہیں ایسے باغات میں داخل کرے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں"۔ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ (سورۃ البقرۃ: 222) یعنی: "بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزہ رہنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے"۔

اے روزے داروں! بے شک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تمہارے مہینے کے اختتام پر ایسی عبادات فرض کی ہیں جو تمہیں اللہ کے قریب تر کرتی ہیں، تمہارے ایمان میں قوت پیدا کرتی ہیں، اور تمہارے اعمال کے حساب میں نیکیوں کا اضافہ کرتی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے زکات الفطر فرض کی ہے جس کا ذکر پہلے کیا جاچکا ہے، اور تمہارے لیے نماز عید الفطر بھی فرض کی ہے۔

اور اس نماز اور عید کے کچھ احکام اور سنن ہیں، جو درج ذیل ہیں:

1- عید کی نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا، کیونکہ یہ فرض کفایہ ہے، بلکہ بعض علما کے نزدیک یہ واجب بھی ہے۔

2- عید کی نماز کے لیے غسل کرنا، صفائی اور خوشبو لگانا مستحب ہے۔

3- بہترین کپڑے پہننا اور مکمل تیاری کے ساتھ نماز کے لیے نکلنا مستحب ہے۔

4- عید کی نماز سے پہلے کچھ کھانا مستحب ہے، اور بہتر یہ ہے کہ کھجوریں کھائی جائیں۔ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن صبح کھجور کھائے بغیر نکلتے نہیں تھے" (بخاری)[1]۔ امام احمد نے اضافہ کیا ہے اور امام بخاری نے اس کو تعلیقا[2] روایت کیا ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھجوریں وتر (طاق عدد) میں کھاتے تھے"۔

5– تکبیر کی ابتداء عید الفطر کی رات سے کی جاتی ہے، جب ماہ شوال کے داخل ہونے کی تصدیق ہو جائے، اور یہ تکبیر رمضان کے مکمل ہونے پر اللہ کی حمد و ثنا کے لیے کی جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ [سورۃ البقرہ: ۱۸۵]، ترجمہ: (وہ چاہتا ہے تم گنتی پوری

---

[1] اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (953)۔

[2] امام بخاری نے اسے معلق روایت کیا ہے (953)، اور امام احمد نے اسے اپنی مسند میں متصل سند سے روایت کیا ہے (287/19)، حدیث نمبر (12268)۔

کرلو اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر اس طرح کی بڑائیاں بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو)۔ یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک خطیب عید کی خطبہ مکمل نہیں کرلیتا۔اس تکبیر کا صیغہ یوں ہے: "اللّٰہُ أَکْبَرُ، اللّٰہُ أَکْبَرُ، لا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ، اللّٰہُ أَکْبَرُ، اللّٰہُ أَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ"۔ تکبیر کی تاکید اس وقت سے شروع ہوتی ہے جب شخص اپنے گھر سے نماز عید کے مقام کی طرف نکلے، جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما[1] سے ثابت ہے۔ مرد حضرات اسے بلند آواز سے گھروں، مساجد، راستوں اور بازاروں میں کہیں، جبکہ عورتیں اسے آہستہ آہستہ کہیں۔

٦ - راستہ بدل کر جانا: یعنی عید کی نماز کے لئے جانے والا شخص ایک راستے سے جائے اور واپس آنے میں دوسرے راستے سے آئے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عید کے دن یہ طریقہ اختیار فرماتے تھے"۔ (بخاری) [2] اور مستحب ہے کہ عید کی نماز کے لئے پیدل جائے۔

عید کے دن لوگوں کا ایک دوسرے کو مبارکباد دینا جائز ہے، اور وہ ایک دوسرے سے کہہ سکتے ہیں: "تقبل الله منا و منك" یعنی: اللہ ہمارے اور آپ کے اعمال قبول فرمائے۔ ابن حجر نے کہا: " محاملیات میں حسن سند کے ساتھ جُبیر ابن نفیر سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام جب عید کے دن ایک دوسرے سے ملتے تو ایک دوسرے سے کہتے: "تقبل اللہ منا ومنک"، اور ملنے والے کے چہرے پر خوشی اور مسکراہٹ ظاہر کرتے[3]"۔

اے اللہ ہم پر رمضان بار بار واپس لا، کئی سالوں اور طویل ادوار تک، اور ہمیں اور تمام مسلمانوں کو عزّت، فتح، استحکام اور دین پر ثابت قدمی عطا فرما، اے رب العالمین، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے اہل بیت اور صحابہ کرام پر رحمت و سلام بھیجے۔

☆☆☆

([1]) اسے ابن المنذر نے "الاوسط" (250/4)، فریابی نے "أحکام العیدین" (حدیث 39)، اور طحاوی نے "شرح مشکل الآثار" (38/14) میں روایت کیا ہے۔

([2]) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (986)۔

([3]) "فتح الباري" (446/2)۔

سبق نمبر 30: ذکر اللہ تعالیٰ

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، اما بعد:

بیشک عبادت کی سب سے بڑی منزلوں میں سے ایک بندے کی اپنے رب سے محبت ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ [سورۃ المائدۃ: ٥٤]، ترجمہ: (تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہوگی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہوگی وہ نرم دل ہونگے مسلمانوں پر سخت اور تیز ہونگے کفار پر، اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے یہ ہے اللہ تعالیٰ کا فضل جسے چاہے دے، اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے)۔

اور صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو لشکر میں بھیجا، جو ساتھیوں کو نماز پڑھاتا تھا اور اپنی نماز ختم کرتے ہوئے سورۃ اخلاص (قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ) پڑھتا تھا۔ جب وہ واپس آیا تو یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اس سے پوچھو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟" وہ لوگ اس سے پوچھے تو اس نے جواب دیا: "کیونکہ یہ صفت رحمان ہے، اور میں چاہتا ہوں کہ اسے پڑھوں۔" تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انہیں بتاؤ کہ اللہ ان سے محبت کرتا ہے"۔ (متفق علیہ) (١)

اور بندے کی اپنے رب سے محبت کی بڑی علامتوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کثرت سے اللہ کا ذکر کرے؛ کیونکہ جو بندہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے وہ اپنے محبوب کی کثرت سے یاد کرتا ہے، سبحانہ وتعالیٰ۔ علامہ السعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اور اللہ کی محبت کے لازمی تقاضوں میں سے ہے اس کی معرفت اور اس کا کثرت سے ذکر کرنا... اور جو اللہ سے محبت کرتا ہے وہ اس کا بکثرت ذکر کرتا ہے"۔ (٢)

اور اللہ تعالیٰ نے ہمیں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے، فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا﴾ [سورۃ الأحزاب: ٤١]، ترجمہ: (مسلمانو اللہ تعالیٰ کا ذکر بہت کیا کرو)۔

○ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر میں بہت سی عظیم فضیلتیں رکھی ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

---

(1) اسے امام بخاری نے روایت کیا ہے (7375)، اور امام مسلم نے بھی (813)۔

(2) تفسیر سعدی (235)۔

1-اللہ نے اپنے ذکر کو نیک ترین اور پاکیزہ ترین عمل قرار دیا ہے، جس سے درجات بلند ہوتے ہیں اور گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا میں تمہیں تمہارے بہترین اعمال، تمہارے مالک کے نزدیک پسندیدہ ترین، تمہارے درجات میں بلند ترین، اور تمہارے لئے سونا اور چاندی دینے اور دشمن سے مقابلہ کرنے اور ان کی گردنیں مارنے سے بہتر چیز نہ بتاؤں؟" صحابہ نے عرض کیا: وہ کیا ہے یارسول اللہ؟ فرمایا: "اللہ کا ذکر"۔ (احمد) (۱) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خشک درخت کے پاس سے گزرے اور اپنی لاٹھی سے اسے مارا تو اس کے پتے بکھر گئے، پھر فرمایا: "بے شک الحمدللہ، سبحان اللہ، لا إلہ إلا اللہ، اللہ اکبر کے ورد سے بندے کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے اس درخت کے پتے جھڑ رہے ہیں"۔ (ترمذی) (۲)

۲ - اللہ عزوجل اس بندے کو یاد فرماتا ہے جو اسے یاد کرتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ﴾ ترجمہ: (اس لئے تم میرا ذکر کرو میں بھی تمہیں یاد کروں گا) [سورۃ البقرہ: ۱۵۲]۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عزوجل فرماتا ہے: میں اپنے بندے کی اُس امید کے مطابق ہوں جو اس نے مجھ سے لگائی ہے، اور جب وہ مجھے یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اگر وہ مجھے اپنے نفس میں یاد کرے تو میں اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں، اور اگر وہ مجھے لوگوں کے ایک گروہ میں یاد کرے تو میں اسے اُن لوگوں کے گروہ میں یاد کرتا ہوں جو اس سے بہتر ہیں"۔ (متفق علیہ) (۳)

۳ - ذکر اللہ کی طرف سکون اور اطمینان کا سبب ہے؛ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ ترجمہ: (یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو تسلی حاصل ہوتی ہے) [سورۃ الرعد: ۲۸]۔

۴-جو اللہ کا بکثرت ذکر کرتے ہیں، وہ دوسروں پر سبقت لے جاتے ہیں؛ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مفردون سبقت لے گئے!" صحابہ نے عرض کیا: "اے

---

(1) اسے امام احمد نے روایت کیا ہے (21704)، اور اسے امام ترمذی (3377)، ابن ماجہ (3790) نے بھی روایت کیا ہے — اور یہ الفاظ ابن ماجہ کے ہیں — نیز حاکم نے المستدرک (1825) میں روایت کیا ہے اور فرمایا: "اس کی سند صحیح ہے، اور بخاری و مسلم نے اسے روایت نہیں کیا"، اور علامہ البانی نے اسے " صحیح سنن الترمذی" میں صحیح قرار دیا ہے۔

(2) اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے (3533) — اور الفاظ انہی کے ہیں — اور امام بیہقی نے "شعب الإیمان" (9398) میں روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے " صحیح سنن الترمذی" میں اسے حسن قرار دیا ہے۔

(3) اسے بخاری نے روایت کیا ہے (7405)، اور مسلم نے بھی (2675) روایت کیا ہے — اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

اللہ کے رسول! مفردون کون ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "جو اللہ کا بکثرت ذکر کرنے والے مرد اور عورتیں ہیں"۔ (صحیح مسلم)۔[1]

اللہ کا ذکر کرنے والے شخص کو دو اہم باتوں کا لحاظ رکھنا چاہیے:

۱- اللہ تعالی کے لیے اخلاص، یعنی ذکر ایسا ہو جو خالص اللہ کی رضا کے لیے ہو، نہ اس میں ریا ہو نہ دکھاوہ۔ حضرت ابوامامۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالی کسی عمل کو قبول نہیں کرتا مگر وہ جس میں اخلاص ہو اور اس سے اللہ کی رضا حاصل کرنا مقصود ہو"۔ (نسائی)[2]

۲- اللہ تعالی کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے مطابق ہو، اور بدعتی اذکار اور ذکر کے خلاف طریقوں سے بچا جائے۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر بدعت گمراہی ہے"۔ (صحیح مسلم)[3] اور امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: "جو شخص اسلام میں کوئی نیا طریقہ متعارف کروائے جو اسے اچھا لگے، وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ محمد ﷺ نے پیغام میں خیانت کی، کیونکہ اللہ فرماتا ہے: ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ ترجمہ: (آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا) [سورۃ المائدۃ: ۳] جو اس دن دین میں نہ تھا وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا"۔[4]

اور بدعت والے اذکار جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے خلاف ہیں، ان میں شامل ہیں: اجتماعی ذکر، ذکر کے دوران غناء کی آلات کا استعمال، یا رقص و تالی بجانا؛ اور اللہ تعالی نے اہل جاہلیت کی مذمت کی جب ان کی نمازیں ایسی تھیں، فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِندَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ ترجمۂ: (اور ان کی نماز کعبہ کے پاس صرف یہ تھی سیٹیاں بجانا اور تالیاں بجانا سو اپنے کفر کے سبب اس عذاب کا مزہ چکھو) [سورۃ الانفال: ۳۵] اور مُكَاءً سے مراد ہے سیٹی بجانا، اور تَصْدِيَةً کا مطلب ہے تالی بجانا۔[5]

---

[1] اسے مسلم نے (2676) میں روایت کیا ہے۔

[2] اسے نسائی نے (3140) میں روایت کیا ہے —— اور الفاظ انہی کے ہیں —— اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" (7628) میں روایت کیا ہے، اور علامہ البانی نے "صحیح سنن النسائي" میں اسے حسن صحیح قرار دیا ہے۔

[3] اسے مسلم نے (867) میں روایت کیا ہے۔

[4] الاعتصام "از الشاطبی (49/1) میں مذکور ہے۔

[5] اسے امام طبری نے "جامع البیان" (جلد ۱۱، صفحہ ۱۶۲) میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔

مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دن اور رات کے اذکار کا پابند رہے، جن میں شامل ہیں اذکارِ صبح و شام، اذان کے وقت اور اس کے بعد کے اذکار، گھر میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے اذکار، مسجد میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے اذکار، لباس کے اذکار، کھانے پینے کے اذکار، بیت الخلاء میں داخل ہونے اور باہر نکلنے کے اذکار، اور نیند کے اذکار۔ حافظ ابو عمرو ابن الصلاح سے پوچھا گیا کہ وہ کتنا مقدار ہے جس کے بعد کوئی شخص زیادہ ذکر اللہ کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے؟ انہوں نے کہا: "اگر کوئی شخص صبح اور شام کے مستند اور ثابت شدہ اذکار پر پابندی سے عمل کرے، اور مختلف اوقات اور حالات میں دن اور رات کا ذکر کرے، تو وہ اللہ کے بہت زیادہ ذکر کرنے والوں میں شمار ہوتا ہے"۔ (۱)

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو اللہ کا کثرت سے ذکر کرنے والوں میں شامل فرمائے، اور ہمیں اس کے ذکر، شکر گزاری اور اچھے طریقے سے عبادت کرنے کی توفیق دے۔ واللہ اعلم۔

اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور صحابہ کرام پر اپنی رحمت اور سلامتی نازل فرمائے۔

☆☆☆

---

(1) امام نووی کی کتاب "الأذکار" صفحہ (۱۰-۱۱) پر بھی یہ مذکور ہے۔

دروس عشرۂ ذی الحجہ

پہلا سبق: ذوالحجہ کے پہلے عشرہ کا استقبال (۱)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جو اکیلا ہے، اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر، اور ان کے تمام آل واصحاب پر۔ اما بعد:

بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اپنی عبادت کے لیے پیدا فرمایا ہے، جیسا کہ اس کا فرمان ہے: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ [الذاریات:56] ترجمہ: (میں نے جنات اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں)۔ اور اس نے ہمیں اپنی اطاعت اور مغفرت کی طرف دوڑنے کی ترغیب دی، چنانچہ فرمایا: ﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ [آل عمران: 133] ترجمہ: (اور اپنے رب کی بخشش کی طرف اور اس جنت کی طرف دوڑو جس کا عرض آسمانوں اور زمین کے برابر ہے جو پرہیز گاروں کے لئے تیار کی گئی ہے)۔ اور ہمارے رب سبحانہ وتعالیٰ نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ وہ دنیا میں ہمارے کیے ہوئے تمام اعمال کو شمار کرے گا، پھر ہر عمل کرنے والے کو اس کا پورا بدلہ دے گا۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے اپنے رب تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہوئے فرمایا: "اے میرے بندو! یہ تو تمہارے اعمال ہی ہیں، جنہیں میں تمہارے لیے شمار کرتا ہوں، پھر میں تمہیں ان کا پورا بدلہ دوں گا، پس جس نے بھلائی پائی وہ اللہ کا شکر ادا کرے، اور جس نے اس کے علاوہ کچھ پایا تو وہ خود اپنے آپ ہی کو ملامت کرے"۔ (صحیح مسلم) (۲)

اور یقیناً ہم عظیم اور بابرکت دنوں کے قریب پہنچ چکے ہیں، جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں قسم کھائی ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ﴾ [سورۃ الفجر: 1، 2]، حضرت عبداللہ بن عباس

(1) یہ درس ذوالقعدہ کے آخری دن پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

(2) اسے امام مسلم نے حدیث نمبر 2577 میں روایت کیا ہے۔

رضی اللہ عنہما اور سلف و خلف کی ایک جماعت نے ان "دس راتوں" کی تفسیریوں کی ہے کہ اس سے مراد "ذوالحجہ کے پہلے دس دن[1]" ہیں، اور مراد ان سے صرف راتیں نہیں بلکہ دن بھی ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "ذوالحجہ کے دس دن" کا اطلاق راتوں اور دنوں دونوں کے مجموعے پر ہوتا ہے"[2]۔ اور ان دس دنوں میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کو سال کے باقی تمام دنوں کے مقابلے میں زیادہ محبوب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "ان دس دنوں میں کیے جانے والے نیک اعمال اللہ تعالیٰ کو سب دنوں کے اعمال سے زیادہ محبوب ہیں۔" صحابہ نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! کیا اللہ کے راستے میں جہاد بھی نہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے راستے میں جہاد بھی نہیں، سوائے اُس شخص کے جو اپنی جان اور مال کے ساتھ نکلا اور کچھ بھی واپس لے کر نہ آیا (یعنی شہید ہو گیا اور مال بھی خرچ کر دیا)۔" (بخاری و ابوداود[3]) حافظ ابن رجب رحمہ اللہ نے فرمایا: "ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ان دس دنوں میں تمام نیک اعمال کا اجر کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے، اور کسی بھی عمل کو اس میں مستثنیٰ نہیں کیا گیا[4]۔"

پس وہ مسلمان جو اللہ تعالیٰ کے وعدے، اس کے حساب، اس کی سخاوت اور اس کے انعام و کرم پر یقین رکھتا ہے ـــ خاص طور پر ان لوگوں کے لیے جو اس کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں ـــ اس کے شایانِ شان یہ ہے کہ وہ ان بابرکت دنوں سے فائدہ اٹھانے میں خوب محنت کرے، تاکہ وہ اپنے رب اور مالک کے قریب ہو جائے۔ اور ان دس دنوں میں جن نیک اعمال کا مسلمان کو خاص طور پر اہتمام کرنا چاہیے، وہ درج ذیل ہیں:

---

(1) دیکھیں: تفسیر ابن کثیر، جلد 8، صفحہ 390۔

(2) دیکھیں: شرح العمدۃ، جلد 1، صفحہ 381۔

(3) اسے امام بخاری (حدیث: 969) اور ابوداود (حدیث: 2438) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ ابوداود کے ہیں۔

(4) دیکھیں: "لطائف المعارف"، صفحہ 262۔

۱-فرائض کی ادائیگی اور اس کی حفاظت: فرائض کو وقت پر اور مکمل اہتمام کے ساتھ ادا کرنا، اور نفس کو ان کی درست ادائیگی پر مجبور کرنا۔ نیز، نوافل میں سے جو میسر ہو اسے بھی انجام دینا چاہیے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا:... میرا بندہ کسی چیز کے ذریعے میرے قریب نہیں آتا جو مجھے ان چیزوں سے زیادہ محبوب ہو جو میں نے اس پر فرض کی ہیں۔ اور میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ جب میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں ضرور اسے دوں گا، اور اگر وہ میری پناہ چاہے تو میں اسے ضرور پناہ دوں گا"۔ (صحیح بخاری)[۱]

۲-حج کی ادائیگی: یہ اللہ کا ایک فریضہ ہے بلکہ اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے، اور اس کا اجر و ثواب بہت عظیم ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس نے اس بیت اللہ کا حج کیا اور (حج کے دوران) بیہودگی اور گناہ سے بچا، تو وہ ایسے واپس آئے گا جیسے اسے اس کی ماں نے ابھی جنم دیا ہو"۔ (متفق علیہ)[۲] اور ایک اور روایت میں ہے: "ایک عمرہ دوسرے عمرہ کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے، اور حجِ مبرور کا بدلہ تو جنت ہی ہے"۔ (متفق علیہ)[۳]

۳-قربانی کرنا (ذبحِ اُضحیہ): اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ﴾ [الکوثر: 2] ترجمہ: (پس تو اپنے رب کے لئے نماز پڑھ اور قربانی کر)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

---

(1) اسے امام بخاری نے حدیث نمبر 6502 پر روایت کیا ہے۔

(2) اسے بخاری (حدیث: 1819) اور مسلم (حدیث: 1350) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(3) اسے بخاری حدیث 1773 اور مسلم حدیث 1349 میں روایت کرتے ہیں۔

"نحر" سے مراد قربانی اور عید کے دن ذبح کرنا ہے(١)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: "نبی کریم ﷺ نے دو سفید و سیاہ رنگ کے سینگوں والے مینڈھوں کی قربانی دی، انہیں اپنے ہاتھ سے ذبح کیا، 'اللہ کا نام لیا' اور 'تکبیر' کہی، اور ان کے پہلو پر اپنا پاؤں رکھا"۔ (متفق علیہ(٢)) اور قربانی کا حکم یہ ہے کہ: یہ اُن لوگوں کے لیے مؤکد سنت ہے جو استطاعت رکھتے ہوں۔ اور جو شخص قربانی کا ارادہ کرے، اس کے لیے جائز نہیں کہ ذوالحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد وہ اپنے بال، جلد یا ناخن سے کچھ کاٹے، یہاں تک کہ وہ قربانی کر لے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھو اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ کرے، تو وہ اپنے بال اور ناخن نہ کاٹے"۔ (صحیح مسلم(٣)) اور ایک روایت میں ہے(٤): "جب عشرہ شروع ہو جائے اور تم میں سے کوئی قربانی کا ارادہ کرے تو وہ اپنے بال اور جسم سے کچھ بھی نہ چھوئے (یعنی نہ کاٹے)"۔ یہ ممانعت خاص طور پر اس شخص کے لیے ہے جو خود قربانی کا ارادہ رکھتا ہو، رہا وہ شخص جس کی طرف سے قربانی دی جائے، جیسے اہلِ خانہ یا دوسرے افراد، تو ان پر یہ حکم لاگو نہیں ہوتا۔

٤۔ کثرت سے تکبیر، تہلیل اور تحمید کرنا: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان دس دنوں سے بڑھ کر کوئی دن عظمت والے اور نیک اعمال کے لیے محبوب نہیں، لہٰذا ان میں کثرت سے 'تہلیل' (یعنی لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ)، 'تکبیر' (یعنی اللّٰهُ أَكْبَرُ)، اور 'تحمید' (یعنی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ) کہا کرو"۔ (مسند امام احمد(٥)) اور تکبیرات کا وقت ذوالحجہ کی پہلی رات

(1) دیکھیں: تفسیر الطبری، جلد 24، صفحہ 653۔

(2) اسے امام بخاری (حدیث: 5565) اور مسلم (حدیث: 1966) نے روایت کیا ہے۔

(3) اسے امام مسلم نے حدیث نمبر 41 (یا 1977) پر روایت کیا ہے۔

(4) اسے امام مسلم نے حدیث نمبر 39 (یا 1977) پر روایت کیا ہے۔

(5) اسے امام احمد نے حدیث نمبر 5446 پر روایت کیا ہے، اور احمد شاکر نے مسند کی تحقیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا ہے، اور امام طبرانی نے "المعجم الكبير" میں (حدیث: 11116)، اور بیہقی نے "شعب الإيمان" (حدیث: 3481) میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ منذری نے "الترغيب والترهيب" (جلد 2، صفحہ 127) میں فرمایا: اس کی سند جید (اچھی) ہے۔

سے شروع ہو جاتا ہے اور تیرہویں دن سورج غروب ہونے تک جاری رہتا ہے۔ یعنی نو، دس، گیارہ، بارہ اور تیرہ کی شام تک۔

۵-پہلے نو دنوں کا روزہ رکھنا: کیونکہ یہ ان اعمال صالحہ میں داخل ہیں جن کا ذکر ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے اور روزہ ان دنوں میں سب سے افضل عبادات میں سے ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے تمام اعمال میں سے خاص اپنے لیے منتخب فرمایا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ابن آدم کے ہر نیک عمل کا بدلہ دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: 'سوائے روزہ کے یہ میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا"۔ (متفق علیہ) [۱]

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: "ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں کے روزے رکھنے میں کوئی کراہت نہیں، بلکہ یہ شدید مستحب ہیں، خاص طور پر نویں تاریخ کا روزہ یعنی یوم عرفہ کا" [۲]۔

پس ایک سچے مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ عشرہ ذی الحجہ میں نیک اعمال کی خوب محنت کرے، جیسے کہ اوپر ذکر کیے گئے اعمال اور دیگر نیک کام، مثلاً: قرآنِ کریم کی تلاوت، صدقہ و خیرات، استغفار (گناہوں کی معافی مانگنا)، اور خالص توبہ۔ کیونکہ جو بھی نیک عمل ان بابرکت ایام میں کیا جاتا ہے، اس کا اجر اور فضیلت دوسرے دنوں کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ ہمارے سلفِ صالحین (نیک بزرگوں) نے ان ایام کی عظمت کو خوب پہچانا تھا، چنانچہ وہ ان میں عبادت کے لیے بھرپور محنت کیا کرتے تھے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا حال یہ تھا کہ جب عشرہ ذی الحجہ شروع ہوتا تو وہ ایسی سخت عبادت کرتے کہ ان کی طاقت جواب دے جاتی۔ ان ہی سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "تم ان دس راتوں

---

(1) اسے امام بخاری حدیث نمبر 5972 اور مسلم حدیث نمبر 1151 پر روایت کرتے ہیں، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(2) دیکھیں: "شرح صحیح مسلم" از امام نووی، جلد 8، صفحہ 71۔

میں اپنے چراغ بجھایا نہ کرو[1]!" (یعنی ان راتوں میں قیامِ اللیل، ذکر اور تلاوت کے لیے جاگتے رہو)۔ پس ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان بابرکت دنوں سے بھرپور فائدہ اٹھائے، وہ نیک اعمال کرے جو اسے اللہ کا قرب عطا کریں، اس کے گناہوں کا کفارہ بنیں، اور اس کے درجات کو بلند کریں۔ دنیا عمل کی جگہ ہے، اور آخرت بدلہ پانے کی جگہ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ﴾ [الزلزلۃ: 7-8]، ترجمہ: (پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔ اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا)۔ واللہ اعلم۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد، وعلى آله وصحبه أجمعين.

☆☆☆

---

[1] دیکھیں: "لطائف المعارف"، صفحہ 263۔

دوسرا سبق: ذوالحجہ کے ابتدائی دس دنوں میں تکبیر کا بیان(1)

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی درود و سلامتی ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر، آپ کی آل اور تمام صحابہ کرام پر۔ امابعد:

یقیناً اللہ کا ذکر کرنا اعمالِ صالحہ میں سے سب سے افضل عمل ہے، اور ان میں اجر کے لحاظ سے سب سے زیادہ عظیم ہے، اور ذوالحجہ کے پہلے دس دنوں میں ذکر کا اجر اور اس کی فضیلت بہت بڑھ جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ ﴾ [الحج: 27] ترجمہ: (اور ان مقررہ دنوں میں اللہ کا نام یاد کریں)، اور " أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ " سے مراد جمہور علماء کے قول کے مطابق ذوالحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں(۲)۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: "أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ سے مراد عشرہ ذوالحجہ کے دن اور ایام معدودات سے مراد ایامِ تشریق کے دن ہیں"(۳)۔ نیز حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ کے نزدیک ان دس دنوں سے زیادہ عظمت والے اور پسندیدہ دن کوئی نہیں، جن میں نیک عمل کیا جائے، لہٰذا ان دنوں میں خوب تسبیح (اللہ اکبر)، تہلیل (لا إله إلا الله) اور تحمید (الحمد لله) کہا کرو"۔ (مسند امام احمد(٤)) حضرت ابن عمر اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما ان دس دنوں میں بازاروں میں جایا کرتے اور تکبیر کہتے، تو لوگ بھی ان کی تکبیر سن کر تکبیر کہنا شروع کر دیتے۔ مراد یہ ہے کہ جب وہ بازار سے گزرتے تو بلند آواز سے "اللہ اکبر"

---

(1) اس درس کو ذوالحجہ کے پہلے دن پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

(2) دیکھیں: "لطائف المعارف" از ابن رجب، صفحہ 263۔

(3) اسے امام بیہقی نے "السنن الکبریٰ" (حدیث: 10145) میں روایت کیا ہے، اور امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں تعلیقاً اور بصیغہ جزم ذکر کیا ہے، کتاب العیدین میں، باب: ایام تشریق میں عمل کی فضیلت۔

(4) اسے امام احمد بن حنبل نے "المسند" (حدیث: 5446) میں روایت کیا، احمد شاکر نے مسند کی تحقیق میں اس کی سند کو صحیح قرار دیا، اور طبرانی نے "المعجم الکبیر" (حدیث: 11116) میں اور بیہقی نے "شعب الإیمان" (حدیث: 3481) میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ منذری نے "الترغیب والترھیب" (جلد 2، صفحہ 127) میں کہا: اس کی سند جید ہے۔

کہتے، جسے سن کر بازار کے دوسرے لوگ بھی اللہ کا ذکر کرنے لگتے"۔[1] اس کا مطلب یہ نہیں کہ اجتماعی طور پر مل کر ایک آواز میں تکبیر کہنا مشروع ہے، کیونکہ اجتماعی تکبیر بدعت ہے، جیسا کہ ان شاءاللہ آگے وضاحت آئے گی۔

○ عشرہ ذوالحجہ اور ایامِ تشریق میں تکبیر کی دو قسمیں ہیں: تکبیرِ مطلق (غیر محدود) تکبیرِ مقید (نماز کے بعد محدود):

پہلی قسم: تکبیرِ مطلق: یہ وہ تکبیر ہے جو کسی مخصوص وقت سے مشروط نہیں، بلکہ ہر وقت کہنا مسنون ہے۔ یہ صرف فرض نمازوں کے بعد مخصوص نہیں ہے، بلکہ مساجد، گھروں، راستوں، بازاروں اور دیگر جگہوں پر ہر وقت تکبیر کہنا مسنون ہے۔ اس کا آغاز ہوتا ہے: ذوالحجہ کی پہلی رات کے داخل ہونے سے اور اس کا اختتام ہوتا ہے: ذوالحجہ کی 13 تاریخ کو سورج غروب ہونے پر کیونکہ ایامِ تشریق (یعنی 11، 12 اور 13 ذوالحجہ) ذکرِ الٰہی کے دن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ ﴾ [سورۃ البقرۃ: 203]، ترجمہ: (اور اللہ تعالیٰ کی یاد ان گنتی کے چند ایام میں کرو)، اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق، " أَيَّامٍ مَعْدُودَاتٍ " سے مراد یہی ایامِ تشریق ہیں۔

دوسری قسم: تکبیرِ مقید یہ وہ تکبیر ہے جو فرض نمازوں کے بعد کہنا مشروع ہے۔ حاجی کے علاوہ لوگوں کے لیے اس تکبیر کا آغاز ہوتا ہے: عرفہ کے دن (یعنی 9 ذوالحجہ) کی فجر کی نماز کے بعد اور اختتام ہوتا ہے: 13 ذوالحجہ کی عصر کی نماز کے بعد، اس تکبیرِ مقید کی مشروعیت پر اجماع ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس کا عمل ثابت ہے۔

---

(1) امام بخاری نے اسے اپنی صحیح میں تعلیقاً اور بصیغہ جزم ذکر کیا، کتاب العیدین میں، باب: ایام تشریق میں عمل کی فضیلت۔ ابن رجب نے "فتح الباری" (جلد 8، صفحہ 9) میں کہا: اسے ابو بکر عبدالعزیز بن جعفر نے "الشافي" میں اور قاضی ابو بکر المروزی نے "کتاب العیدین" میں تخریج کیا ہے، اور علامہ البانی نے "إرواء الغلیل" (حدیث: 651) میں اسے صحیح قرار دیا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ نے فرمایا: "عید الاضحی میں تکبیرِ مقید مشروع ہے، اور اس میں امت کا کوئی اختلاف نہیں ہے[1]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "ایامِ نحر (قربانی کے دنوں) میں تکبیر کا اہتمام زیادہ مؤکد ہے، کیونکہ یہ نمازوں کے بعد کہنا مشروع ہے، اور اس پر امت کا اتفاق ہے"[2]۔

نیز حضرت عمر، علی، اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہ بات ثابت ہے کہ: وہ عرفہ کے دن کی فجر سے لے کر آخری دن (13 ذوالحجہ) کی عصر تک فرض نماز کے بعد تکبیر کہتے تھے[3]۔ پس یہ صحابۂ کرام کے اجماع سے ثابت شدہ عمل ہے[4]۔

اور حاجی کے حق میں تکبیرِ مقید کا آغاز یومِ نحر (یعنی 10 ذوالحجہ) کی ظہر کی نماز کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ اس سے پہلے وہ تلبیہ میں مشغول ہوتا ہے۔ اور اس کا اختتام بھی عام مسلمانوں کی طرح 13 ذوالحجہ کی عصر کی نماز کے بعد ہوتا ہے۔

تکبیرِ مطلق اور مقید کی صفت یہ ہے کہ یوں کہا جائے: "اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَاللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اور بعض علماء کے نزدیک جائز ہے کہ تکبیر کی ابتداء تین بار "اللّٰه أَكْبَرُ" سے کی جائے۔

تکبیر کے صیغوں میں وسعت ہے—یعنی جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے الفاظ ثابت ہوں، وہ سب مشروع ہیں۔ مثال کے طور پر، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ عرفہ کی صبح

---

(1) دیکھیں: "المجموع شرح المهذب"، جلد 5، صفحہ 32۔

(2) دیکھیں: "مجموع الفتاوی" از شیخ الاسلام ابن تیمیہ، جلد 24، صفحہ 221 تا 222۔

(3) ان آثار کو امام ابن المنذر نے "الأوسط" (جلد 4، صفحات 300-301) میں، اور امام بیہقی نے "السنن الکبری" (حدیث: 6273، 6275، 6276) میں روایت کیا، اور امام نووی نے "المجموع" (جلد 5، صفحہ 35) میں انہیں صحیح قرار دیا۔

(4) دیکھیں: "مجموع الفتاوی" از ابن تیمیہ، جلد 24، صفحہ 222۔

سے نفر کے آخری دن تک یوں تکبیر کہتے تھے: "اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ وَأَجَلُّ، اللّٰهُ أَكْبَرُ عَلَى مَا هَدَانَا" (بیہقی)(١)۔ وہ (13 ذوالحجہ کی) مغرب میں تکبیر نہیں کہتے تھے)۔

مردوں کے لیے سنت ہے کہ وہ اونچی آواز سے تکبیر کہیں؛ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اونچی آواز سے تکبیر کہتے تھے۔ اس میں اسلام کی شعائر کا اظہار اور دوسروں کے لیے یاددہانی کا پہلو ہوتا ہے۔ عورتوں کے لیے سنت ہے کہ وہ آہستہ آواز سے تکبیر کہیں۔ حضرت ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا یوم النحر کو تکبیر کہا کرتی تھیں، اور عورتیں ابان بن عثمان اور عمر بن عبدالعزیز کے پیچھے ایامِ تشریق کی راتوں میں مردوں کے ساتھ مسجد میں تکبیر کہا کرتی تھیں(٢)۔

حافظ ابن رجب رحمہ اللہ کا بیان: عورتوں کا مردوں کے ساتھ جماعت میں تکبیر کہنا جائز ہے، لیکن عورتوں کو چاہیے کہ اپنی آواز نیچی رکھیں(٣)۔

دس ذوالحجہ کی رات سے لے کر آٹھویں ذوالحجہ تک (یعنی ابتدائی دنوں میں) تکبیرِ مقید (نماز کے بعد) پڑھنا مشروع نہیں ہے، کیونکہ اس وقت تکبیر مطلق ہوتا ہے، مقید نہیں۔

نہ تو تکبیر مطلق اور نہ ہی تکبیر مقید کو جماعت کے ساتھ ایک آواز میں ادا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ عبادت کی ایسی صورت جس کا شرعی حوالہ نہ ہو، جائز نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو بھی ہمارے کام میں ایسی چیز ایجاد کرے جو اس میں نہ ہو، وہ مردود ہے" (متفق علیہ(٤))۔ جماعت میں بلند آواز سے تکبیر کہنا

---

(1) یہ روایت "السنن الکبریٰ" (حدیث: 6280) میں موجود ہے، اور علامہ البانی نے "الإرواء" (جلد 3، صفحہ 125) میں کہا: اس کی سند صحیح ہے۔

(2) ان دونوں آثار کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں تعلیقاً اور بصیغہ جزم ذکر کیا ہے، کتاب العیدین میں: باب ایام منیٰ میں تکبیر کہنا، اور باب: جب عرفہ کے دن روانہ ہو۔

(3) دیکھیں: "فتح الباری"، جلد 9، صفحہ 28۔

(4) اسے امام بخاری (حدیث: 2697) اور امام مسلم (حدیث: 1718) نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

بدعت ہے، کیونکہ نہ نبی ﷺ نے ایسا کیا اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے۔ اس لیے ہر شخص کو چاہیے کہ تنہا تکبیر کہے۔

اللہ ہم سب کو اپنے ذکر، شکر، اور عبادت کو حسن سے انجام دینے کی توفیق دے، واللہ اعلم۔

وصلى الله وسلم على نبينا محمد وعلى آله وصحبه أجمعين.

☆☆☆

تیسرا سبق: حج اور عمرہ (1) [۱]

تمام تعریفیں اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، اور اللہ تعالی کی صلاۃ وسلام اور برکتیں ہوں ہمارے نبی محمد ﷺ پر، اور آپ کے تمام آل واصحاب پر۔ اما بعد:

بے شک حج اور عمرہ عمر بھر میں ایک بار فرض ہیں ہر اُس شخص پر جس میں ان کی شرائط موجود ہوں۔ اللہ عزوجل نے فرمایا: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً﴾ [سورۃ آل عمران: 97]، ترجمہ: (ہور اللہ کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتے ہوں)۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا": میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟" آپ ﷺ نے فرمایا": ہاں! ان پر ایسا جہاد ہے جس میں قتال (لڑائی) نہیں: وہ ہے حج اور عمرہ" (ابن ماجہ) [۲] اور ان دونوں (حج وعمرہ) کی ادائیگی میں جلدی کرنا واجب ہے، اور بغیر عذر کے مؤخر کرنا جائز نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا": فرض حج میں جلدی کرو، کیونکہ تم میں سے کوئی نہیں جانتا کہ آگے کیا پیش آئے گا" (امام احمد)۔ [۳]

اور ضروری ہے کہ وہ نظام و قوانین بھی ملحوظ رکھے جائیں جو حکومت نے حج اور عمرہ کے بارے میں بنائے ہیں (اللہ انہیں توفیق عطا فرمائے)، کیونکہ اللہ کی نافرمانی کے علاوہ ہر معاملے میں حکمران کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کا حصہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ

---

[1] اس درس کو ذوالحجہ کی دوسرے دن پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

[2] اسے ابن ماجہ (حدیث: 2901)، امام احمد (حدیث: 25322) اور ابن خزیمہ (حدیث: 3074) نے روایت کیا، اور علامہ البانی نے "إرواء الغليل" (حدیث: 981) میں اسے صحیح قرار دیا۔

[3] اسے امام احمد بن حنبل نے "المسند" (حدیث: 2867) میں تخریج کی ہے اور علامہ البانی نے ارواء الغلیل (990) میں اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔، اور ابن ماجہ نے (حدیث: 2883) میں اس لفظ کے ساتھ روایت کیا: "جو شخص حج کا ارادہ کرے، تو وہ جلدی کرے، کیونکہ مریض بیمار ہو سکتا ہے، کوئی چیز گم ہو سکتی ہے، یا کوئی حاجت درپیش ہو سکتی ہے" اور اسے شیخ البانی نے حسن قرار دیا ہے۔

وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾[النساء:59]،ترجمہ:(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحبِ امر ہیں)۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا": مسلمان پر (اپنے حکمران کی) سمع و طاعت واجب ہے، چاہے وہ اُسے پسند ہو یا ناپسند، جب تک کہ اسے گناہ کا حکم نہ دیا جائے۔ اور اگر گناہ کا حکم دیا جائے تو نہ سننا ہے اور نہ ماننا"۔ متفق علیہ (۱)

اور شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا: "حج کرنے والوں پر واجب ہے— اللہ انہیں توفیق دے— کہ وہ ان ہدایات کی پابندی کریں جو حکومت نے حاجیوں کی بھلائی کے لیے جاری کی ہیں، کیونکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے معروف میں حکمرانوں کی سمع و طاعت کو فرض قرار دیا ہے۔ اور حکومت کی طرف سے حج کے نظم و ضبط کے لیے جو تعلیمات جاری کی جاتی ہیں، وہ معروف میں سے ہیں۔ ان کی خلاف ورزی گناہ اور اجر میں کمی کا سبب بنتی ہے"۔ (۲)

❍ **اور جہاں تک حج اور عمرہ کی کیفیت (طریقہ) کا تعلق ہے:** جب حج یا عمرہ کرنے والا شخص میقات پر پہنچے، تو اس کے لیے مستحب ہے کہ غسل کرے۔ اگر اسے بغلوں کے بال صاف کرنے، زیرِ ناف بال مونڈنے، مونچھیں کترنے اور ناخن تراشنے کی ضرورت ہو تو وہ یہ بھی کرے۔ اس کے بعد مرد اپنے سلے ہوئے کپڑوں (۳) کو اتار دے اور احرام کی نیت سے غسل کرنے سے پہلے بدن پر خوشبو لگائے۔ پھر دو سفید اور صاف کپڑے (یعنی ایک ازار اور ایک چادر) اور دو چپلیں پہنے۔ ایسا ازار نہ پہنے جو سلا ہوا ہو اور عورتوں کے سایہ (تنورہ) جیسا لگتا ہو۔ اسے یہ بھی اجازت ہے کہ وہ کمر میں بیلٹ باندھ لے، اگرچہ

---

(1) اسے امام بخاری (حدیث: 7144) اور امام مسلم (حدیث: 1839) نے روایت کیا۔

(2) دیکھیں: "مجموع فتاویٰ ومقالات متنوعہ"، جلد 17، صفحہ 155۔

(3) "مخیط" سے مراد وہ کپڑا ہے جو پورے بدن یا کسی خاص عضو کے مطابق سلا ہوا ہو، چاہے وہ واقعی سلا ہوا ہو یا کسی اور طریقے سے جسم کے مطابق بنایا گیا ہو، اس طرح کا پہننا محرم پر ممنوع ہوتا ہے۔

اس میں یا چپلوں میں سلائی ہو۔ عورت جو لباس چاہے پہن سکتی ہے بشرطیکہ زینت والا نہ ہو، مرد اپنے دونوں کندھے چادر سے ڈھانپ لے۔ اگر میقات پر پہنچنے کے وقت کوئی فرض نماز کا وقت ہو تو نماز ادا کرنے کے بعد احرام باندھے، ورنہ دو رکعت سنتِ احرام پڑھے، پھر جس عبادت (حج یا عمرہ) کا ارادہ ہو اس کی نیت سے احرام باندھ لے۔ تو جو عمرہ یا تمتع کا ارادہ رکھتا ہو وہ کہے: اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ عُمْرَةً (اے اللہ! میں عمرہ کے لیے حاضر ہوں) اور جو صرف حج کا ارادہ رکھے وہ کہے: اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ حَجًّا (اے اللہ! میں حج کے لیے حاضر ہوں) اور جو قران (یعنی عمرہ اور حج دونوں اکٹھے) کرے وہ کہے: اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ عُمْرَةً وَحَجًّا (اے اللہ! میں عمرہ اور حج دونوں کے لیے حاضر ہوں) افضل یہ ہے کہ احرام باندھنے کی نیت سواری پر بیٹھ کر کرے۔ اور اگر مُحرِم کو یہ اندیشہ ہو کہ کوئی رکاوٹ، بیماری یا راستہ بند ہونے جیسی چیز اسے حج یا عمرہ مکمل کرنے سے روک سکتی ہے، تو وہ شرط لگائے اور کہے: إِنْ حَبَسَنِي حَابِسٌ فَمَحِلِّي حَيْثُ حَبَسْتَنِي (اگر مجھے کسی نے روک دیا، تو میں وہیں احرام کھول دوں گا جہاں مجھے روکا گیا)۔

اور مستحب ہے کہ جب آدمی احرام باندھ رہا ہو تو قبلہ رخ ہو کر احرام کی نیت کرے۔ حضرت نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب ذوالحلیفہ (میقات) پر فجر کی نماز پڑھ لیتے، تو اپنی سواری تیار کرنے کا حکم دیتے، سواری تیار کی جاتی، پھر وہ اس پر سوار ہوتے، جب سواری سیدھی ہو جاتی تو قبلہ رخ کھڑے ہو کر تلبیہ شروع کرتے۔ اور نافع کہتے ہیں: بے شک رسول اللہ ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا[1]۔ اس کے بعد تلبیہ پڑھنا شروع کرے، اس طرح: "لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ" ترجمہ: "میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں بے شک ساری تعریف، نعمتیں اور بادشاہی تیرے ہی لیے ہے تیرا کوئی شریک نہیں"۔

---

(1) اسے امام بخاری (حدیث: 1553) اور امام مسلم (حدیث: 1259) میں مختصراً روایت کیا ہے۔

اور سنت ہے کہ تلبیہ بلند آواز سے پڑھے، اور جب مکہ کے قریب پہنچے تو اُس کے لیے مستحب ہے کہ غسل کرے، اور اگر ممکن ہو[1] تو دن کے وقت مکہ میں داخل ہو۔ پھر جب وہ طواف کرنا چاہے تو مرد کے لیے سنت ہے کہ "اضطباع" کرے، یعنی چادر کے درمیانی حصے کو اپنے دائیں کندھے کے نیچے سے گزارے اور دونوں کناروں کو بائیں کندھے پر ڈال لے۔

طواف کے لیے شرط ہے کہ حالتِ طہارت (وضو) میں ہو۔ اور مستحب ہے کہ حجرِ اسود کو چومے، اگر ایسا ممکن نہ ہو تو ہاتھ سے اسے چھوئے اور اپنے ہاتھ کو چومے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو صرف ہاتھ کے اشارے سے حجرِ اسود کی طرف اشارہ کرے، لیکن ہاتھ کو نہ چومے۔ یہ عمل ہر شوط (چکر) کے آغاز میں کرے، اور ہر شوط کا آغاز تکبیر (اللہ اکبر) سے کرے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اسی طرح ثابت ہے[2]۔

اگر طواف کی ابتدا "بسم اللہ واللہ اکبر" سے کرے تو یہ اچھا ہے، کیونکہ یہ عمل ابن عمر رضی اللہ عنہما[3] سے روایت ہے۔ اور جب وہ رکن یمانی کے پاس پہنچے تو اسے ہاتھ لگا کر سلام کرتے ہیں لیکن اسے چوما نہیں جاتا، اور اگر اسے ہاتھ لگا نہ سکیں تو صرف اشارہ کریں اور تکبیر نہ کہیں۔ پھر رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان دعا کریں: ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ [سورۃ البقرہ: ۲۰۱] باقی طواف میں جو چاہیں دعا کرتے رہیں، اور پہلے تین اشواط میں رمل کرنا مستحب ہے، یعنی تیز قدموں سے چلنا، جبکہ باقی چار اشواط معمولی رفتار سے چلتے رہیں۔ جب سات اشواط مکمل کرلیں تو اپنے کندھوں پر چادر ڈال لیں، پھر مقام ابراہیم علیہ السلام کے پاس آکر یہ آیت

---

(1) صحیح مسلم، (1259)(227)۔

(2) اسے امام بخاری (حدیث: 1613، 1632) نے روایت کیا۔

(3) اسے امام عبد الرزاق نے اپنی کتاب "المصنف" (حدیث: 8894) میں اور امام بیہقی نے (جلد 5، صفحہ 79) میں روایت کیا، اور حافظ ابن حجر نے اسے "التلخیص" (جلد 2، صفحہ 537) میں صحیح قرار دیا۔

پڑھیں: ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾ [سورۃ البقرہ:۱۲۵] اور مقام ابراہیم کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھیں، پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص پڑھیں۔ اگر زیادہ رش یا دیگر وجوہات کی بناپر مقام ابراہیم کے پیچھے نماز نہ پڑھ سکیں تو مسجد کے کسی بھی جگہ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ یہ طواف "طواف قدوم" کہلاتا ہے، جو مفرد اور قارِن کے لیے ہے، اور تمتع کرنے والوں کے لیے عمرہ کا طواف (بھی) ہے۔ پھر حجر اسود کے پاس جا کر اگر ممکن ہو تو اسے ہاتھ لگائیں، پھر صفا کی طرف جائیں۔ صفا کے قریب آکر اللہ تعالیٰ کی یہ آیت پڑھیں: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ [سورۃ البقرہ:۱۵۸] پھر کہیں: "میں اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ نے شروع کیا" اور اگر ممکن ہو تو صفا پر چڑھیں۔ مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف رخ کرکے اللہ کی یکتائی کا اقرار کریں اور بڑائی بیان کریں اور کہیں: " لا إله إلا الله والله أكبر، لا إله إلا الله وحده لا شريك له، له الملك وله الحمد يحيي ويميت وهو على كل شيء قدير، لا إله إلا الله وحده، أنجز وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده" پھر ہاتھ اٹھا کر جو دعا چاہیں کریں اور یہ ذکر تین مرتبہ دہرائیں۔ پھر پیدل مروہ کی طرف چلیں اور دو سبز لائٹ کے درمیان تیز دوڑ لگائیں، یہ عمل مردوں کے لیے ہے، عورتوں کے لیے تیز دوڑنا مستحب نہیں۔ پھر مروہ پر پہنچ کر وہی کریں جو صفا پر کیا تھا، سوائے آیت کی تلاوت اور یہ: "أبدأ بما بدأ الله به" کہنے کے کیونکہ یہ صرف پہلے شوط کی ابتداء کے لئے خاص ہے، اس طرح ایک چکر مکمل ہو جاتا ہے۔ پھر مروہ سے صفا تک واپس جائیں، یہ دوسرا چکر ہو جاتا ہے، یہاں تک کہ سات چکر مکمل ہو جائیں۔ صفا سے سعی کی شروعات ہوگی اور مروہ پر ختم ہوگی یہ مفرد اور قارِن کے لیے حج کے لیے سعی ہے اور انہیں حلال نہیں ہونا چاہیے بلکہ احرام میں رہنا چاہیے، اور یہ تمتع کرنے والے کے لئے عمرہ کی سعی ہے۔

پھر متمتع یا صرف عمرہ کرنے والے معتمر اپنے بال منڈوائیں، اور اس کے بعد اس کے لئے احرام میں جو چیزیں حرام تھیں وہ سب چیزیں جائز ہو جاتی ہیں۔ اس طرح معتمر اپنی عمرہ مکمل کر لیتا ہے۔ اور حج کے طریقے کی وضاحت اگلے درس میں کی جائے گی، ان شاءاللہ، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر سلامتی اور برکت نازل فرمائے اور ان کی آل اور صحابہ پر بھی۔

☆☆☆

چوتھا سبق: حج وعمرہ (۲)(۱)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے، اور اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ پر، ان کے اہل بیت اور صحابہ کرام پر درود وسلام نازل فرمائے۔ اما بعد:

❍ پچھلے درس میں عمرے کی صفت بیان کی جا چکی ہے، اور ان شاء اللہ اس درس میں ہم حج کی صفت کو مختصراً بیان کریں گے:

جب روزِ ترویہ ہو — جو کہ ذوالحجہ کی آٹھ تاریخ ہے — تو مُتمتع حَج کے لیے اپنے مقام سے احرام باندھے، اور اسی طرح مکہ اور اس کے قریب رہنے والے احرام سے نکلے باقی لوگ بھی احرام باندھیں۔ میقات پر جو غسل، عطر لگانا اور دیگر امور کیے گئے تھے اس دن بھی وہ سب کرنا مستحب ہے۔ پھر تمام حاجی منیٰ کی طرف روانہ ہوں اور منیٰ میں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں قصر کے ساتھ پڑھیں، بغیر جمع کے۔ پھر اگلے دن صبح سویرے، سورج نکلنے کے بعد، حاجی عرفات کی طرف چل پڑے۔ اگر ممکن ہو تو وہ نمرہ میں اتر کر زوال تک قیام کرے تو بہتر ہے، ورنہ سیدھا عرفات کی طرف جائے۔ جب سورج غروب ہو جائے تو امام یا اس کا نائب مختصر خطبہ دیتا ہے، پھر ظہر اور عصر کی نمازیں قصر اور جمع کے ساتھ ایک ہی اذان اور دو اقامتوں کے ساتھ ظہر کے وقت ادا کرتا ہے۔ (خطبہ سنیں اور نمازیں ادا کریں) پھر وہ عرفات میں قیام کرے۔ حاجی پر فرض ہے کہ وہ اس بات کو یقینی بنائے کہ وہ عرفات کی حدود کے اندر ہے۔ مستحب ہے کہ وہ قبلہ کی طرف منہ کرے، اپنے ہاتھ اٹھائے، دعا کرے، اور اس عظیم دن میں خشوع، ذکر اور دعا میں محنت کرے۔ اس دن کہی جانے والی بہترین دعا یہ ہے: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی بادشاہی ہے، تمام تعریفیں اسی کے لئے ہیں، اور وہ

---

(۱) یہ سبق ذوالحجہ کی تیسری تاریخ کو پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

ہر چیز پر قادر ہے)۔اس دن بغیر روزہ کے رہے کیونکہ اس سے عبادت میں طاقت ملتی ہے۔حاجی اس دن کھڑا رہے، تضرع، خشوع اور عاجزی کے ساتھ، یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔جب سورج غروب ہو جائے تو عرفات سے سکون کے ساتھ روانہ ہو، اور تلبیہ کہتے ہوئے مزدلفہ کی طرف چلے۔ وہاں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھے، اور عشاء کی نماز قصر کرے۔کمزور لوگوں کو اجازت ہے کہ وہ آدھی رات کے بعد مزدلفہ سے روانہ ہو جائیں، لیکن سنت یہ ہے کہ طاقتور لوگ مزدلفہ میں فجر کی نماز تک قیام کریں۔ پھر وہ قبلہ کی طرف منہ کر کے دعا کرتا ہے، اللہ کی تسبیح، تکبیر اور تہلیل کریں جب تک کہ خوب روشنی نہ ہو جائے۔اس کے بعد وہ سورج نکلنے سے پہلے مزدلفہ سے روانہ ہو، تلبیہ کہتے ہوئے اور سکون کے ساتھ۔راستے میں سات کنکریاں اٹھائے۔جب وہ جمرۃ العقبۃ پر پہنچے تو سات کنکریاں پھینکے، ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہے اور تلبیہ بند کر دے۔پھر وہ اپنے ہدی (قربانی کے جانور) کو ذبح کرے، جس سے کھانا بھی مستحب ہے۔اس کے بعد اپنے بال منڈوائے یا تراشوائے، منڈوانا افضل ہے۔پھر وہ طوافِ افاضۃ کرے اور اگر وہ متمتع ہو یا مفرد یا قارِن ہو اور پہلے طوافِ قدوم کے ساتھ سعی نہ کی ہو تو سعی بھی کرے۔ پھر سنت کے مطابق جو اس کی تمنا ہو اس کی نیت کر کے زم زم کا پانی پئے، اور اسے اپنے سر پر ڈالے۔سنت ہے کہ نحر کے دن کے اعمال ترتیب سے ہوں: سب سے پہلے رمی، پھر ذبح، پھر حلق یا تقصیر، اور پھر طواف۔اگر کوئی ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے پہلے کر لے تو کوئی حرج نہیں۔اگر کوئی ان تینوں میں سے دو کام کر لے ـــــ رمی جمرۃ العقبۃ، حلق یا تقصیر، اور طوافِ افاضۃ ـــــ تو اسے تحللِ اول حاصل ہوتا ہے، اور اس کے لئے وہ سب کچھ حلال ہو جاتا ہے جو احرام میں حرام تھا، سوائے عورتوں کے۔ اگر وہ تیسرا کام سعی کے ساتھ بھی کر لے تو تحللِ ثانی حاصل ہوتا ہے، اور اس کے لئے وہ سب کچھ حلال ہو جاتا ہے جو احرام میں حرام تھا، حتٰی کہ بیوی سے صحبت بھی۔اور منٰی میں وہ گیارہویں اور بارہویں رات لازمی قیام کرے۔وہ گیارہویں دن تینوں جمروں کو کنکری مارے، پہلے چھوٹے جمرۃ، پھر درمیانی، اور پھر بڑے جمرۃ۔یہی عمل بارہویں دن بھی دہرائے۔رمی کا وقت ایام التشریق میں زوال کے بعد شروع ہوتا

ہے، یعنی ظہر کی اذان کے وقت، اور یہ وقت فجر کے طلوع تک جاری رہتا ہے۔ جب وہ چھوٹے جمرۃ کو کنکری مارے تو سنت ہے کہ وہ تھوڑا آگے بڑھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو جائے، ہاتھ اٹھا کر طویل دعا کرے۔ جب درمیانی جمرۃ کو کنکری مارے تو سنت ہے کہ وہ آگے بڑھ کر بائیں جانب لے جائے، پھر قبلہ کی طرف منہ کر کے طویل کھڑا ہو کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرے۔ جمرۃ العقبۃ کے بعد رکنا جائز نہیں ہے۔ اگر کوئی شخص رمی کرنے سے عاجز ہو یا اسے مشکل ہو تو وہ کسی دوسرے حاجی کو اپنا وکیل بنا کر رمی کرا سکتا ہے، تو وکیل پہلے اپنے لئے رمی کرے گا پھر جس کے لئے وکالت کی گئی ہے۔ اگر حاجی جلدی کرنا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ منیٰ سے بارہویں دن سورج غروب ہونے سے پہلے نکل جائے، اگر اختیاری طور پر سورج اس پر غروب ہو جائے تو اس کے لئے تیرہویں دن کی رات منیٰ میں قیام اور زوال کے بعد رمی فرض ہو جاتا ہے۔ اگر وہ مکہ سے نکلنا چاہے تو اس پر واجب ہے کہ وہ طواف وداع کرے، اور اپنا آخری عہد طواف کے ساتھ مکمل کرے۔ یہ طواف حیض اور نفاس والی عورتوں سے ساقط ہو جاتا ہے، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آلِ بیت اور تمام صحابہ کرام پر رحمتیں نازل فرمائے اور انہیں سلامت رکھے۔ آمین۔

☆☆☆

پانچواں سبق: حج میں توحید کے معالم (نشانیاں) [1]

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو رب العالمین ہے، اور اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور صحابہ کرام پر درود و سلام بھیجے۔ بعد ازاں:

بے شک سب سے عظیم جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے وہ توحید اور عبادت صرف اسی کے لئے خالص کرنا ہے، جس کا کوئی شریک نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، رسول بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں، جنت اور جہنم بنائی، سب اس لیے کہ صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کا کوئی شریک نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا﴾، ترجمہ: (اور اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ)۔ [سورۃ النساء: 36] اور فرمایا: ﴿وَقَضَىٰ رَبُّكَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾، ترجمہ: (اور تمہارا رب یہ حکم دے چکا ہے کہ تم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا)۔ [سورۃ الإسراء: 23] اور اللہ تعالیٰ نے جن اور انسان کو پیدا کرنے کی حکمت واضح کی: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (56) مَا أُرِيدُ مِنْهُم مِّن رِّزْقٍ وَمَا أُرِيدُ أَن يُطْعِمُونِ (57) إِنَّ اللَّهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِينُ (58)﴾، ترجمہ: (اور میں نے جن اور انسان کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے، اور میں ان سے رزق چاہتا ہوں اور وہ مجھے کھلاتے نہیں۔ بے شک اللہ ہی رزق دینے والا، طاقت والا، زبردست ہے)۔ [سورۃ الذاریات: 56-58] اور اللہ تعالیٰ نے پیغامبر بھیجنے کی حکمت بیان کی: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾، ترجمہ: (ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو)۔ [سورۃ النحل: 36] اور فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ﴾، ترجمہ: (ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس بات کی وحی کی کہ میں ہی سچا

---

[1] یہ سبق ذوالحجہ کی چوتھی تاریخ کو پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

معبود ہوں، لہٰذا میری عبادت کرو)۔ [سورۃ الأنبیاء: 25] اور فرمایا: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ أَنْ أَنذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ﴾، ترجمہ: (وہ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے فرشتے روح کے ساتھ بھیجتا ہے تاکہ ان کو ڈرائے کہ میں ہی سچا معبود ہوں، پس مجھ سے ڈرو)۔ [سورۃ النحل: 2]۔

تمام عبادات توحید کی بنیاد پر قائم ہیں اور ان میں اس کی نشانیاں ظاہر ہوتی ہیں، جس میں بیت اللہ الحرام کی طرف حج کی عبادت بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَن لَّا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ (26) وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ (27) ﴾، ترجمہ: (اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت کا مقام مقرر کیا کہ میرے ساتھ کچھ شریک نہ ٹھہراؤ اور میرا گھر طاہر رکھو ان لوگوں کے لیے جو طواف کرتے ہیں، قیام کرتے ہیں، رکوع کرتے اور سجدہ کرتے ہیں۔ اور لوگوں کو حج کا اعلان کر دیا کہ وہ تمہارے پاس پیدل اور دور دراز سے جانوروں پر سوار آتے ہیں)۔ [سورۃ الحج: 26-27]، شیخ عبد الرحمن السعدی رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے بیت الحرام کی عظمت اور اس کے بانی کی جلالت بیان کی، جو خلیل الرحمن ہے، فرمایا: " وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ" یعنی اور جب ہم نے ابراہیم کے لیے بیت کا مقام مقرر کیا یعنی ہم نے اسے اس کے لیے تیار کیا، اور ہم نے اس کو نازل فرمایا، اور ان کی اولاد میں سے کچھ کو اس کے مکین بنایا، اور اللہ نے اسے بنانے کا حکم دیا۔ انہوں نے اللہ کی تقویٰ پر اس کی تعمیر کی، اور اللہ کی اطاعت پر اس کی بنیاد رکھا، اور انہوں نے خود اور ان کے بیٹے اسماعیل نے اسے بنایا، اور انہیں حکم دیا کہ اللہ کے ساتھ کچھ شریک نہ کریں، یعنی اپنے کاموں کو اللہ کے لیے خالص کریں

اور اسے اللہ کے نام پر تعمیر کریں۔ "وَطَهِّرْ بَيْتِيَ" یعنی اور میرا گھر شرک، گناہوں، نجاست اور آلودگیوں سے پاک رکھو"۔(۱)

حج میں توحید کے نمایاں معالم میں سے کچھ درج ذیل ہیں:

1- معتمر اور حاجی کے اعمال میں سب سے پہلا عمل نسک میں داخل ہوتے ہی حج کا شعار بلند کرنا ہے، جو کہ تلبیہ کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے: " لَبَّيْكَ اللَّهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيكَ لَكَ"، اور یہ ہمارے نبی محمد ﷺ کی سنت ہے، جیسا کہ جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب نبی ﷺ کی اونٹنی بیداء پر سیدھی کھڑی ہوئی تو آپ نے توحید کے ساتھ تلبیہ کہا: "لبيک اللهم لبيک، لبيک لا شريک لك لبيک، إن الحمد والنعمة لك والملك، لا شريك لك"۔ مسلم شریف میں روایت ہے(۲) لبیک کا مطلب ہے: "میں تیری پکار کا جواب دیتا ہوں اور تیری اطاعت پر قائم ہوں"۔ "اللهم" کا مطلب ہے "اے اللہ!" اور اس کا تکرار کرنا لفظی اور معنوی توثیق کا انداز ہے۔ "لا شريک لك لبيک" یعنی "تیرا کوئی شریک نہیں، نہ تیرے ملک میں، نہ تیری الہیت میں، نہ تیرے ناموں اور صفات میں، اور نہ کسی چیز میں جو صرف تجھ سے متعلق ہے"۔ اور اس کا مطلب ہے کہ میری یہ دعا خاص طور پر صرف تیرے لیے ہے، میں مخلص ہوں، میرا حج ریاکاری یا شہرت کے لیے نہیں ہے۔ "إن الحمد والنعمة لك والملك لا شريك لك" کا مطلب ہے: تعریف، نعمت اور حکومت سب تیرے لئے مخصوص ہے۔ "الحمد" اللہ تعالی کی کامل صفات کے تعارف اور اس کی محبت و تعظیم ہے، اور کوئی بھی کمال کے ساتھ حمد کا مستحق نہیں مگر اللہ تعالی، جو اپنے بندوں پر نعمتوں والا ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا ان پر نعمت نہیں کرتا، اور وہ سب چیزوں کا مالک اور

---

(1) دیکھیے: "تیسیر الکریم الرحمن"، صفحہ (537)۔

(2) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (1318)۔

حکمران ہے، کوئی بھی اس کے ملک وانتظام سے باہر نہیں، اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ جب آپ ان الفاظ پر غور کریں اور ان کے عظیم معانی کو دیکھیں، تو آپ پائیں گے کہ یہ تمام اقسام کی توحید کو شامل ہیں۔ اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا فرمان: "انہوں نے توحید کے ساتھ تلبیہ کہا"۔ بالکل درست ہے، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جو نبیوں کے بعد توحید کے سب سے زیادہ واقف تھے [۱]۔

اور مشرکین تلبیہ میں اللہ کے ساتھ شرک کرتے تھے، لیکن رسول اللہ ﷺ نے ان کی مخالفت کی اور تلبیہ میں توحید کو شامل کیا۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ مشرکین کہا کرتے تھے": لَبَّيْكَ لَا شَرِيكَ لَكَ" تو رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: "وَيلَكُمْ، قد قد [۲]" وہ کہتے: "إلا شريكًا هو لك، تملكه وما ملك" یعنی سوائے ایک شریک کے جو تیرے ساتھ شریک ہے، تو اس کا مالک ہے اور اس کا بھی جس کا وہ مالک ہے۔ یہ سب وہ اس وقت کہتے تھے جب وہ بیت اللہ کا طواف کرتے تھے (مسلم شریف)۔ [۳]

اور حاجی اپنی تلبیہ اس وقت تک نہیں چھوڑتا جب تک کہ وہ یوم النحر یعنی دسویں ذوالحجہ کو جمرۃ العقبۃ کو کنکری نہ مارے۔ جہاں تک تکبیر کا تعلق ہے، تو وہ تلبیہ کے ساتھ اور بعد میں بھی مشروع ہے، اور یہ بھی اللہ کی توحید ہے: "اللهُ أَكبَرُ اللهُ أَكبَرُ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَاللهُ أَكبَرُ، اللهُ أَكبَرُ وَلِلهِ الْحَمْدُ" یہ تکبیر اس کے ساتھ جاری رہتی ہے یہاں تک کہ حج تیرہویں ذوالحجہ کو ختم ہو جاتا ہے۔

۲ - کعبہ کا طواف اللہ کی عبادت ہے جس سے مسلمان اپنے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے، لہٰذا طواف صرف کعبہ کا جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ﴾ [سورۃ الحج:

([1]) دیکھیے: "الشرح الممتع" (7/104-109)۔

([2]) یعنی: تمہارے لیے یہی توحید کا کلام کافی ہے، اس پر اکتفا کرو اور شرک کو اس میں شامل نہ کرو۔ دیکھیے: "شرح النووی علی مسلم" (8/90)۔

([3]) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (1185)۔

۲۹]۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ طواف صرف بیت المعمور کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور بیت المقدس کے پتھر، نبی ﷺ کے حجرے، عرفات کے پہاڑ پر گنبد یا کسی اور جگہ کے ساتھ طواف جائز نہیں... صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "اللہ یہود کو لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا"۔ (۱) اور ایک روایت میں ہے: "اللہ یہود اور نصاریٰ کو لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا(۲))(۳)۔" اور یہ بھی فرمایا کہ: "مسلمانوں کے اتفاق کے ساتھ کعبہ کے علاوہ زمین کے کسی بھی مقام کے ساتھ طواف جائز نہیں، اور جو کوئی ایسا کرے اسے سمجھایا جائے گا اور اسے تین دن فرصت دی جائے گی، اگر وہ پھر بھی اصرار کرے تو اتفاقاً قتل کیا جائے گا" (٤)۔

۳ - حجرِ اسود کو چوما جانا اور کعبہ کے رکن یمانی کو ہاتھ لگانا اللہ کی عبادت ہے جس سے مسلمان اپنے رب تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا غیر حجرِ اسود کو چومنا جائز نہیں، اور نہ ہی غیر حجرِ اسود یا رکن یمانی کو ہاتھ لگانا جائز ہے۔ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ حجرِ اسود کے پاس آئے اور اسے چوما، پھر فرمایا: "میں جانتا ہوں کہ تم ایک پتھر ہو، نہ نقصان پہنچا سکتے ہو اور نہ فائدہ، اور اگر میں نے نبی ﷺ کو تمہیں چومتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تمہیں نہیں چومتا"۔ (متفق علیہ) (٥) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے فرمایا: "صرف رکن اسود اور رکن یمانی کو ہاتھ لگانا جائز ہے، دیگر ارکانِ کعبہ کو نہیں۔ نبی ﷺ نے بھی خاص طور پر یہی کیا کیونکہ یہ دونوں رکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر ہیں، اور باقی دونوں ارکان کعبہ کے اندر ہیں۔ رکن اسود کو ہاتھ لگایا اور چوما جاتا ہے، رکن یمانی کو صرف ہاتھ لگایا جاتا

---

(1) اسے بخاری (437) اور مسلم (20/530) نے ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

(2) اسے بخاری (1390) اور مسلم (19/529) نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے۔

(3) دیکھیے: "مجموع الفتاویٰ" (521/4)۔

(4) دیکھیے: "مختصر الفتاوی المصرية"، صفحہ (298)۔

(5) اسے بخاری (1597) اور مسلم (1270) نے روایت کیا ہے۔

ہے اور چوما نہیں جاتا، باقی دو ارکان کو نہ ہاتھ لگانا (استلام) جائز ہے اور نہ چومنا۔ استلام یعنی ہاتھ سے مس کرنا ہے۔ اور بیت اللہ کے دیگر اطراف، مقام ابراہیم علیہ السلام، نبی ﷺ کے حجرے، غارِ ابراہیم علیہ السلام، مقامِ نبی ﷺ جہاں وہ نماز پڑھتے تھے، اور دیگر انبیاء اور صالحین کی قبریں اور بیت المقدس کہ پتھر، ان سب جگہوں کو ہاتھ لگانا یا چومنا مستحب یا جائز نہیں ہیں، اس بات پر تمام ائمہ کے اتفاق سے ہے"[١]۔

٤ - **صفا اور مروہ پر دعا میں توحید کا ظہور:** جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب مسعی کی طرف گئے تو صفا پر چڑھے، وہاں سے بیت اللہ دیکھا، قبلہ کی طرف رخ کیا، اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور تکبیر کہی، اور فرمایا: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ، أَنْجَزَ وَعْدَهُ، وَنَصَرَ عَبْدَهُ، وَهَزَمَ الْأَحْزَابَ وَحْدَهُ" یہ دعا تین مرتبہ دہرائی گئی۔ (مسلم)[٢]

٥ - **عرفہ کے دن توحید کا ظہور:** عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "دعاؤں میں سب سے بہترین دعا روز عرفہ کی دعا ہے، اور جو سب سے بہتر کلمات میں اور میرے سے پہلے والے نبیوں نے کہا، وہ یہ ہیں: "لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" (ترمذی)۔[٣]

---

(1) دیکھیے: "مجموع الفتاویٰ" (121/26)۔

(2) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (1185)۔

(3) "جامع الترمذی" (3585)، نیز امام احمد (548/11)، حدیث نمبر (6961)، جس میں الفاظ ہیں: «كان أكثر دعاء النبي يوم عرفة: لا إله إلا الله...»— اور اسے مالک نے "الموطأ" (572) میں طلحہ بن عبید اللہ بن کریز سے مرسلاً روایت کیا ہے۔— اور شیخ البانی نے اسے "صحیح الجامع" (121/3)، حدیث نمبر (3269)، اور "سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ" (4/6)، حدیث نمبر (1503) میں حسن قرار دیا ہے، اور کہا: "اجمالی طور پر کہا جائے تو حدیث شواہد کے مجموعے سے ثابت ہے"۔

٦ - نحر یا ذبحِ ہدی کے موقع پر توحید کا ظہور: نحر کے دن نحر کرنا خاص عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے، اور اسے کسی اور کے لیے صرف کرنا جائز نہیں۔ جو اسے اللہ کے سوا کسی اور کے لیے کرے، اس نے شرک کیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿162﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَٰلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ الْمُسْلِمِينَ ﴿163﴾﴾ [سورۃ الأنعام: 162-163] ترجمہ: (آپ فرمادیجئے کہ بالیقین میری نماز اور میری ساری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا یہ سب خالص اللہ ہی کا ہے جو سارے جہان کا مالک ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی کا حکم ہوا ہے اور میں سب ماننے والوں میں سے پہلا ہوں)۔ اور نُسُكِي یعنی میرا ذبح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [سورۃ الکوثر: 2]، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "لَعَنَ اللَّهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهُ، وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللَّهِ، وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ آوَى مُحْدِثًا، وَلَعَنَ اللَّهُ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ" (مسلم)[1] یعنی اللہ نے اس شخص پر لعنت کی جو اپنے والدین کو لعنت کرے، جو اللہ کے علاوہ کسی کے لیے ذبح کرے، اور اللہ کی لعنت ہو اُس شخص پر جو کسی بدعتی یا گناہ کرنے والے کو پناہ دے اور جو زمین کے نقشے کو تبدیل کرنے والا ہو۔

٧ - حج اور عمرے میں بال مونڈنا یا کٹوانا خاص عبادت ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے جائز ہے، اور یہ توحید کے اہم علامات میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ﴾ [سورۃ الفتح: ٢٧] جو شخص کسی مخلوق کے تقرب کے طور پر اپنا بال مونڈے وہ بڑے شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے، جیساکہ مرید اپنے شیخوں کے لئے قبروں، مزاروں اور قبوں کے پاس بال مونڈتے ہیں اور کہتے ہیں: "میں نے اپنے بال فلاں کے لئے منڈوائے، اور تم نے اسے فلاں کے لئے منڈوائے ہیں"۔ یہ سب بڑے شرک کے زمرے میں آتا ہے جو انسان کو اسلام سے خارج

---

[1] اسے مسلم نے روایت کیا ہے (1978)۔

کر دیتا ہے۔ بال مونڈنا اللہ کے سامنے خشوع، عبادت اور تسلیم ہے اور یہ صرف اللہ کے لئے ہونا چاہیے [۱]۔اور بال مونڈنا اگر عبادت کے لئے نہ ہو تو مسلمان جب چاہے کر سکتا ہے۔

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں توحید اور سنت پر ثابت قدم رکھے، اور شرک و بدعت سے محفوظ رکھے، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اوران کے آل وصحابہ کرام پر رحمتیں نازل فرمائے۔

☆☆☆

(1) دیکھیے: "زاد المعاد" (146/4)۔

چھٹا سبق: حج میں بدعتیں اور مخالفتیں (۱)

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو رب العالمین ہے، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کے آل اور صحابہ کرام پر ہو، اما بعد:

حاجی اور عمرہ کرنے والے دونوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات کے مطابق حج اور عمرہ ادا کریں؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حجۃ الوداع میں امت کو حکم دیا تھا کہ وہ آپ سے مناسک حج کو سیکھ لیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قربانی والے دن اپنی اونٹنی پر سے رمی کرتے دیکھا اور اس وقت آپ نے فرمایا: "اپنے مناسک لے لو، کیونکہ مجھے نہیں معلوم کہ میں اس حج کے بعد دوبارہ حج کر سکوں گا یا نہیں"۔ (مسلم)(۲)

جو بھی حج اور عمرہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے کے خلاف کوئی عقیدہ، عمل یا قول اختیار کرے، وہ دین میں بدعت پیدا کرنے والا ہے۔

○ اور بعض حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں سے مختلف بدعات اور مخالفتیں واقع ہوئی ہیں جن میں سے کچھ یہ ہیں:

۞ حج اور عمرہ میں بدعات:

---

(1) یہ سبق ذوالحجہ کی پانچویں تاریخ کو پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

(2) اسے مسلم نے روایت کیا ہے (1297)۔

-احرام کے وقت نیت کا زبانی اظہار کرنا، مثلاً کہنا: "اللهم إني نويت أن أعتمر" یا "نويت أن أحجّ"؛ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے عبادات میں زبانی نیت کرنے کی کوئی روایت نہیں ملتی، لہٰذا یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نیت کا زبانی اظہار کرنا بدعت ہے۔

-اجتماعی تلبیہ: یعنی حجاج یا معتمرین کا ایک گروہ ایک ساتھ ایک ہی آواز میں تلبیہ کہنا۔ یہ بدعت ہے کیونکہ اس طرح کی عبادت کی ادائیگی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم سے معلوم نہیں ہے۔ بلکہ مشروع یہ ہے کہ ہر محرم اپنی طرف سے تلبیہ کہے۔

-کسی خاص ذکر یا دعا کا تعین کرنا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے طواف، سعی، یوم عرفہ اور دیگر مناسک میں وارد نہ ہوئی ہو۔ بلکہ سنت یہ ہے کہ مسلمان وہی اذکار و دعائیں پڑھے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان مقامات پر ثابت ہیں، اور کسی نئے ذکر یا دعا کا مستقل طور پر پابند ہونا جائز نہیں۔

-عبادت کے لیے جبل عرفہ پر چڑھنا، جو لوگوں میں "جبل الرحمۃ" کے نام سے مشہور ہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں کہ انہوں نے اس پہاڑ پر چڑھا ہو، نہ ہی اس کی طرف ترغیب دی، اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا ہے۔ لہٰذا، حج کے دوران اس پہاڑ پر نسک (عبادت) کے طور پر چڑھنا بدعت ہے۔

-غارِ حراء کی زیارت کا خاص ارادہ اور عبادت سمجھ کر وہاں چڑھنا، اور اس کی فضیلت پر اعتقاد رکھنا بدعت ہے؛ کیونکہ یہ معلوم نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے ایسا کیا ہو، بلکہ یہ شرک کا ایک وسیلہ ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالی نے فرمایا: "غارِ حراء جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے

قبل از بعثت عبادت کی تھی، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بعثت کے بعد وہاں زیارت نہیں کی، اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی نے وہاں جانے کا اہتمام کیا"(۱)۔

-رسول اللہ ﷺ کے گزرنے یا نماز پڑھنے کی جگہوں کا قصد کرنا جبکہ آپ نے یہ جگہیں اپنی امت کے لیے مستحب نہ کی ہوں؛ جیسا کہ المعرور بن سوید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے موقع پر گئے، اور جب عمر رضی اللہ عنہ نے حج مکمل کر لیا اور لوگ ایک مقام کی جانب جانے میں جلدی کر رہے تھے تو انہوں نے پوچھا: "یہ کیا ہے؟" کہا گیا: "یہ مسجد ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی تھی"۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اسی سبب اہل کتاب ہلاک ہو گئے، انہوں نے اپنے انبیاء کے آثار کو مساجد بنا لیا۔ جو شخص تم میں سے وہاں نماز کے وقت موجود ہو تو وہ نماز پڑھ لے، اور جو تم میں سے وہاں موجود نہ ہو (یعنی نماز کا وقت نہ پائے) تو وہ نماز نہ پڑھے"۔ (۲)

-قبور صالحین جو مکہ اور اس کے آس پاس ہیں، اور مدینہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے قبور، اور دیگر قبور کا قصد کرنا، ان سے دعا کرنا، حاجات کی انجام دہی اور مشکلات کے دور کرنے کے لیے ان سے سوال کرنا، یہ سب کفر اور شرک اعظم ہے۔ اگر کوئی ان قبور کی زیارت اس نیت سے کرتا ہے کہ وہاں دعا اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ قبول ہو گی، تو یہ بدعت ہے اور شرک اکبر کی طرف لے جانے والی بات ہے۔

-مقامِ ابراہیم علیہ السلام، کعبہ شریف کی دیواروں، مسجد الحرام اور مسجد النبی کے دروازے اور کھڑکیاں، جبل عرفات پر نصب کیا گیا نشان کو مسح کرنا اور ان سے تبرک لینا، اور اس جبل سے تبرک کے لیے کی مٹی لینا، یہ سب منکر ترین بدعات میں شامل ہیں۔

---

(1) دیکھیے: مجموع الفتاویٰ (33/27)۔

(2) —اسے عبدالرزاق نے اپنی مصنف (118/2)، حدیث نمبر (2734) میں روایت کیا ہے، —اور ابن ابی شیبہ نے (151/2)، حدیث نمبر (7550) میں، —نیز اسماعیل بن محمد الصفار نے اپنی "مسند" میں، جیسا کہ "مسند الفاروق" از ابن کثیر (168/1)، حدیث نمبر (59) میں ذکر ہوا ہے، —اور ابن کثیر و ابن تیمیہ دونوں نے اس کی تصحیح کی ہے۔ ابن تیمیہ نے اسے اپنی کتاب "قاعدة جليلة في التوسل والوسيلة"، صفحہ (220) میں نقل کیا ہے۔

۞ حج اور عمرے میں مخالفتیں:

- حرام مال سے حج کرنا: بعض لوگ ایسا مال استعمال کرتے ہیں جو انہوں نے سود، دھوکہ دہی، فریب یا لوگوں کے حق مار کر ناجائز طور پر حاصل کیا ہو۔ ایسے لوگ جب حج اور عمرے کی خرچ میں اس حرام مال کو شامل کرتے ہیں تو ان کے اجر میں کمی آتی ہے اور وہ گناہگار ہوتے ہیں۔ لہٰذا حاجی اور معتمر کے لیے ضروری ہے کہ ان کا خرچ صاف اور پاکیزہ ہو، کیونکہ اللہ پاک صاف چیزیں ہی قبول فرماتا ہے۔

- عورت کا بغیر محرم کے حج یا عمرے کے لیے سفر کرنا: عورت پر بغیر محرم کے سفر کرنا ہر گز جائز نہیں، چاہے کسی بھی صورت میں ہو۔ جیسا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو عورت اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتی ہے، اسے ایک دن اور ایک رات کے سفر کے لیے بغیر محرم کے سفر کرنا جائز نہیں"۔ (متفق علیہ) [1] اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: "کوئی مرد عورت کے ساتھ تنہا نہ ہو مگر اس کے ساتھ محرم ہو، اور عورت بغیر محرم کے سفر نہ کرے"۔ ایک شخص نے کہا: "یا رسول اللہ، میری بیوی حج کے لئے نکل گئی ہے، اور میں غزوہ میں مصروف ہوں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو جا کر اپنی بیوی کے ساتھ حج کر"۔ (متفق علیہ) [2]

اگر عورت کو محرم میسر نہ ہو تو اس حالت میں اس پر حج فرض نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس کے لئے استطاعت والی نہیں ہوتی۔

- عورت کا احرام کے دوران نقاب، برقع، لثام یا ہاتھوں میں دستانے پہننا: احرام کی حالت میں عورت کو یہ سب چیزیں پہننا منع ہے، لیکن وہ اپنی صورت کو غیر محرم مرد سے بغیر نقاب یا برقع کے

---

(1) اسے بخاری نے (1088) اور مسلم نے (1339) میں روایت کیا ہے۔

(2) اسے بخاری نے (3006) اور مسلم نے (1341) میں روایت کیا ہے۔

ڈھانپ سکتی ہے۔اسی طرح وہ اپنے ہاتھوں کو اپنے عبائے سے ڈھانپ سکتی ہے بغیر دستانے پہنے کیونکہ عورت کا پورا بدن قابل پردہ(عورت) ہے۔

-اِحرام کے دوران میقات سے لے کر عمرہ یا حج سے تحلل تک بازو یا کندھوں کو کھلا رکھنا (اضطباع) جائز ہے،اور سنت ہے کہ الاضطباع صرف حج کے طواف قدوم اور عمرے کے طواف کے دوران کعبہ کے گرد کیا جائے۔لیکن طواف سے پہلے یا بعد میں، جیسے کہ سعی یا دیگر مواقع پر،اضطباع کرنا مشروع نہیں ہے۔

-حجرِ اسود کے سامنے ہاتھوں کو نماز میں اٹھانے کی طرح اٹھانا، جبکہ سنت یہ ہے کہ صرف دایاں ہاتھ اشارے کے لیے اٹھایا جائے۔

-بعض حاجیوں اور عمرہ کرنے والوں کا صرف سر کے دونوں اطراف،آگے اور پیچھے سے چند بال کاٹنا، یہ کافی نہیں کیونکہ واجب ہے کہ سر کے تمام بال کاٹے جائیں،اس لیے انہیں نائی کے پاس جانا چاہیے تاکہ وہ پورے سر کے بال چھوٹے کر دے،اور اگر ممکن ہو تو بہتر ہے کہ بال مکمل منڈوائے۔

-بعض لوگ حج یا عمرہ کی احرام باندھنے کے بعد شدید رش یا ہجوم ہونے پر احرام اتار کر واپس اپنے ملک چلے جاتے ہیں، یہ جائز نہیں ہے اور اس طرح وہ احرام سے خارج نہیں ہوتے، کیونکہ جو شخص حج یا عمرہ کے نسک میں داخل ہو جاتا ہے اس پر مکمل ادا کرنا لازم ہے، چاہے وہ نفلی ہی کیوں نہ ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾[سورۃ البقرۃ:196]۔

8-بعض حاجیوں کی رمی میں غلطی یہ ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ پتھر کا جمرات کے ستون کو لگنا ضروری ہے، جبکہ ایسا لازم نہیں ہے، بلکہ کافی ہے کہ پتھر کو رمی کے حوض میں پھینکا جائے؛اور وہ ستون صرف رمی کے مقام کی نشانی کے لئے ہوتا ہے۔ صرف پتھر کو حوض میں رکھ دینا کافی نہیں، بلکہ واقعی رمی کرنا

ضروری ہے، اس لیے ہاتھ اٹھا کر ایک ایک پتھر کو پھینکنا چاہیے۔ سات پتھروں کو ایک ساتھ پھینکنا جائز نہیں۔ رمی صرف پتھروں سے ہونی چاہیے، اگر کوئی لکڑی، لوہا، یا سیمنٹ کے ٹکڑے وغیرہ پھینکے تو یہ رمی قبول نہیں ہوگی۔

اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں دین کی سمجھ عطا فرمائے، اسلام اور سنت پر مضبوطی سے قائم رکھے، اور ہمیں شرک وبدعت سے محفوظ رکھے، اور اللہ بہتر جانتا ہے۔

اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل وصحابہ پر درود وسلام بھیجے۔

☆☆☆

ساتواں سبق: قربانی کے احکام(۱) (۱)

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہل بیت اور صحابہ کرام پر ہو۔ بعد ازاں:

❍ نحر کے دنوں میں جو چیز صاحب استطاعت مسلمانوں کے لیے فرض ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے حصول کی خاطر جانور قربان کرے، اور شرعی اعتبار سے قربانی وہ جانور ہے جو نحر کے دنوں میں ذبح کیا جائے عید کی مناسبت سے تاکہ اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل ہو۔

یہ سنت مؤکدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [سورۃ الکوثر: 2] ابن کثیر نے فرمایا: نحر سے مراد قربانی کا جانور ذبح کرنا ہے (۲)۔ اور نبی ﷺ کا فعل بھی یہی ہے، جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے دو سیاہ دھاری دار سفید بھیڑ کی قربانی دی، ذبح خود کیا، بسم اللہ کہا اور تکبیر کہی اور اپنے پاؤں ان کے سینوں پر رکھا(۳)، اور یہ روایت متفق علیہ (٤) ہے۔ نبی ﷺ نے قربانی کا حکم دیا اور فرمایا: "جس شخص نے نماز سے پہلے قربانی کیا تو اسے چاہیے کہ اس کے بدلے دوسری قربانی کرے، اور جو قربانی نہ کیا ہو تو وہ اللہ کے نام سے قربانی کرے"۔ (متفق علیہ)(٥)

قربانی واجب نہیں ہے، ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ صحابہ میں سے کسی سے قربانی کا واجب ہونا ثابت نہیں ہوتی(٦)۔

---

(1) یہ سبق ذوالحجہ کی چھٹی تاریخ کو پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

(2) دیکھیے: تفسیر ابن کثیر (503/8)۔

(3) امام نووی نے شرح صحیح مسلم (121/13) میں فرمایا: اس کے قول "(وَوَضَعَ رِجْلَهُ عَلَى صِفَاحِهِمَا)" کا مطلب ہے: گردن کی دونوں جانب۔ اور آپ ﷺ نے ایسا اس لیے کیا تاکہ جانور زیادہ مضبوطی سے قابو میں رہے اور اس کا سر ہلنے سے ذبح میں رکاوٹ نہ بنے یا آپ ﷺ کو اذیت نہ دے۔

(4) اسے بخاری (5558) اور مسلم (1966) نے روایت کیا ہے۔

(5) اسے بخاری (985) اور مسلم (1960) نے روایت کیا ہے۔

(6) دیکھیے: المحلّی (6/10)۔

قربانی صرف بھیمۃ الأنعام جانوروں سے ہو سکتی ہے، یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ یا بکری۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ [سورۃ الحج:34] بھیمۃ الأنعام جانوران تینوں قسموں کے علاوہ نہیں ہوتے، اور نبی ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے کسی روایت میں ان کے علاوہ جانوروں کی قربانی ثابت نہیں۔

اور بھیمۃ الأنعام میں سب سے افضل قربانی اونٹ ہے، پھر گائے، پھر بھیڑ یا بکری، پھر حصہ دار اونٹ (بدنۃ)، پھر حصہ دار گائے۔ اونٹ کی فضیلت کی دلیل یہ حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو جمعہ کے دن غسل کرے (غسل جنابت کرے)، پھر نکلے تو گویا اس نے اونٹ کی قربانی دی، اور جو دوسرے گھنٹے میں نکلے تو گویا اس نے گائے کی قربانی دی، اور جو تیسرے گھنٹے میں نکلے تو گویا اس نے ایک سینگ والے مینڈھے کی قربانی دی، اور جو چوتھے گھنٹے میں نکلے تو گویا اس نے مرغی کی قربانی دی، اور جو پانچویں گھنٹے میں نکلے تو گویا اس نے ایک انڈا کی قربانی دی۔ جب امام آجاتا ہے تو فرشتے بھی مسجد میں حاضر ہوتے ہیں اور ذکر (خطبہ) سنتے ہیں"۔ (متفق علیہ) [1]۔ اور چونکہ اونٹ کا گوشت زیادہ ہوتا ہے، اور غریبوں کے لیے زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے، اور اس کی قیمت بھی زیادہ ہوتی ہے، اور اونٹ گائے اور بھیڑ سے زیادہ قیمتی اور عزیز ہوتا ہے۔

اور ہر قسم کے جانور میں سب سے افضل وہ ہے جو زیادہ فربہ (موٹا تازہ) ہو، پھر وہ جو زیادہ قیمتی ہو؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:﴿وَمَن يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِن تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾[سورۃ الحج:32] ترجمہ: "اور جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے، تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے"۔

اور بکری ایک شخص اور اس کے گھر والوں کی طرف سے قربانی کے طور پر کافی ہے؛ جیسا کہ حضرت ابو ایوب رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص اپنی

---

[1] اسے بخاری (881) اور مسلم (850) نے روایت کیا ہے۔

طرف سے اور اپنے گھر والوں کی طرف سے ایک بکری قربان کرتا، اور وہ اس میں سے کھاتے بھی اور دوسروں کو کھلاتے بھی"۔(ترمذی) (۱)

اور جائز ہے کہ ایک اونٹ یا ایک گائے کو سات افراد کی طرف سے قربانی کیا جائے؛ کیونکہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے: "ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حدیبیہ کے سال ایک اونٹ کو سات افراد کی طرف سے اور ایک گائے کو بھی سات افراد کی طرف سے ذبح کیا"۔(مسلم) (۲)

اور قربانی کے لیے یہ شرط ہے کہ جانور شرعی اعتبار سے مقررہ عمر کو پہنچ چکا ہو، چنانچہ: اونٹ کی قربانی اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ پانچ سال مکمل نہ کرلے۔ گائے کی قربانی اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ دوسال مکمل نہ کرلے۔ بکری کی قربانی اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ ایک سال مکمل نہ کرلے۔ دُنبے (بھیڑ) کی قربانی اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ چھ مہینے مکمل نہ کرلے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "صرف مسنّہ (یعنی بڑی عمر والا) جانور ہی ذبح کرو، ہاں اگر تمہیں مشکل پیش آئے تو چھ ماہ کا دُنبہ ذبح کر سکتے ہو" (مسلم) (۳)
"مسنّہ" سے مراد: اونٹ: وہ جس کی پانچ سال مکمل ہو چکی ہوں اور چھٹے سال میں داخل ہو چکا ہو۔ گائے: وہ جس کی دوسال مکمل ہو چکی ہوں اور تیسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ بکری: وہ جس کی ایک سال مکمل ہو چکی ہو اور دوسرے سال میں داخل ہو چکی ہو۔ ایسا جانور جس نے سامنے کے دانت گرادیے ہوں، اسے ثنیّہ کہا جاتا ہے، اور یہی "مسنّہ" کہلاتا ہے۔

---

(1) اسے ترمذی (1505) نے روایت کیا اور کہا: "یہ حدیث حسن صحیح ہے"، اور ابن ماجہ (3147) نے بھی روایت کیا، شیخ البانی نے اس کی تصحیح کی: (صحیح ابن ماجہ، 3147)۔

(2) اسے مسلم (1318) نے روایت کیا ہے۔

(3) اسے مسلم (1963) نے روایت کیا ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "رسول اللہ ﷺ نے ہمارے درمیان قربانی کے جانور تقسیم فرمائے، تو میرے حصے میں ایک جذع (کم عمر دنبہ) آیا۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے حصے میں جذع (چھوٹا دنبہ) آیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اسی سے قربانی کر لو"۔ بخاری و مسلم[1] اور انہی (عقبہ رضی اللہ عنہ) سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جذع (کم عمر دنبہ) سے قربانی کی تھی"۔ (نسائی)[2] جذع سے مراد دُنبہ (بھیڑ) ہے جس کی چھ ماہ کی عمر مکمل ہو چکی ہو اور ساتویں ماہ میں داخل ہو گیا ہو۔ لہٰذا جذع اور اس سے بڑے جانور کی قربانی جائز ہے۔ واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ نبی محمد ﷺ، آپ کے آل اور تمام صحابہ کرام پر درود و سلام نازل فرمائے۔

☆☆☆

---

(1) اسے بخاری (5547) اور مسلم (1965) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ مسلم کے ہیں۔

(2) اسے نسائی (4382) اور احمد (17380) نے روایت کیا ہے، الفاظ نسائی کے ہیں، اور حافظ ابن حجر نے اس کی سند کو قوی قرار دیا (فتح الباري 15/10)، اور شیخ البانی نے اسے صحیح قرار دیا: (صحیح النسائي 4382)۔

آٹھواں سبق: قربانی کے احکام (۲)[1]

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ، آپ کے آل اور تمام صحابہ کرام پر۔ أما بعد:

پچھلے سبق میں قربانی کے کچھ احکام بیان کیے گئے، اور اس سبق میں ہم ان شاءاللہ تعالیٰ ان احکام کی تکمیل کریں گے۔ ان میں سے ایک حکم یہ ہے: کہ جس اونٹ، گائے یا بکری کی قربانی کی جائے، اس کا ان عیوب سے پاک ہونا شرط ہے جو شریعت میں قربانی کے درست ہونے سے مانع ہیں؛ اس کی دلیل حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "قربانی کے جانوروں میں وہ جانور جائز نہیں جو: ایسا کانا ہو جس کا کانا پن ظاہر ہو، ایسا لنگڑا ہو جس کا لنگڑا پن ظاہر ہو، ایسا بیمار ہو جس کی بیماری ظاہر ہو، اور ایسا کمزور و دبلا ہو جو ہڈیوں تک گلا سڑا ہو اور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو"۔ (ابو داود)[2] "العجفاء" سے مراد ہے: وہ جانور جو بہت کمزور ہو، اور "لا تُنقي" کا مطلب ہے: کہ اس کی ہڈیوں میں گودا باقی نہ رہا ہو، یعنی وہ شدید لاغری کا شکار ہو۔

چنانچہ: وہ جانور جس کی ایک آنکھ کانا ہونا واضح ہو، قربانی میں جائز نہیں، لیکن اگر کانا پن ظاہر نہ ہو تو قربانی جائز ہو جائے گی۔ اسی طرح وہ جانور جس کا لنگڑا پن واضح ہو، یعنی وہ صحت مند جانوروں کے ساتھ چراگاہ تک چل نہ سکتا ہو، تو وہ بھی قربانی کے قابل نہیں۔ لیکن اگر ہلکا سا لنگڑا پن ہو تو وہ قربانی سے مانع نہیں۔ وہ جانور جس کی بیماری ظاہر ہو اور اس کا گوشت خراب کر دے، تو وہ بھی قربانی کے قابل

---

[1] اس سبق کو ذوالحجہ کی ساتویں تاریخ کو پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

[2] اسے ابو داود (2802)، ترمذی (1497) نے روایت کیا اور فرمایا: "حسن صحیح ہے"، اسی طرح نسائی نے حدیث نمبر (4371) اور اس کے بعد کی احادیث میں، ابن ماجہ (3144)، مالک نے موطا (482/2، حدیث نمبر 1) میں، اور احمد (18510) نے روایت کیا ہے۔ الفاظ نسائی کے ہیں۔ شیخ البانی نے اسے صحیح سنن النسائی (4371) میں صحیح قرار دیا ہے۔

نہیں۔ لیکن اگر بیماری خفیف ہو تو قربانی جائز ہے۔ نیز بہت زیادہ دبلا پتلا اور لاغر جانور (یعنی "ہزیلۃ") بھی قربانی میں جائز نہیں۔

اور اگر جانور میں ایسا عیب ہو جو قربانی کو ناجائز نہ بناتا ہو، تو اس سے سلامت ہونا افضل ہے۔

ان چاروں عیوب کے علاوہ ان سے زیادہ شدید عیوب بھی ان پر قیاس کیے جائیں گے، جیسے کہ: اندھا جانور، یا جس کا پاؤں کٹا ہوا ہو۔

قربانی کا وقت شروع ہونے کا حکم: شہروں اور بستیوں میں رہنے والوں کے لیے عید کی نماز کے بعد قربانی کرنا مشروع ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا: «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُعِدْ» یعنی: "جو شخص نماز سے پہلے ذبح کرے، وہ دوبارہ قربانی کرے"۔ (متفق علیہ) [1] اور دیہاتیوں یا ان لوگوں کے لیے جن کی بستیوں میں عید کی نماز قائم نہیں ہوتی، ان کے لیے قربانی کا وقت عید کی نماز کی مقدار گزرنے کے بعد شروع ہوتا ہے۔ حضرت جُندب بن عبد اللہ البجلیؓ کی حدیث میں ہے: «مَنْ ذَبَحَ قَبْلَ أَنْ يُصَلِّيَ فَلْيُعِدْ مَكَانَهَا أُخْرَى» یعنی: "جس نے عید کی نماز سے پہلے قربانی کی، تو وہ دوبارہ کرے"۔ اور براء بن عازبؓ کی حدیث: «إِنَّ أَوَّلَ مَا نَبْدَأُ فِي يَوْمِنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَرْجِعَ فَنَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ نَحَرَ قَبْلَ الصَّلَاةِ فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ، لَيْسَ مِنَ النُّسُكِ فِي شَيْءٍ» یعنی: "ہم اپنے اس دن کا آغاز سب سے پہلے نماز سے کریں گے، پھر واپس جا کر قربانی کریں گے۔ تو جس شخص نے ایسا کیا، اس نے ہماری سنت کو پالیا، اور جو نماز سے پہلے قربانی کرے، وہ محض گوشت ہے جو وہ اپنے گھر والوں کے لئے پیش کیا، اُس کی قربانی شمار نہیں ہوگی"۔ (متفق علیہ) [2]

---

(1) اسے بخاری (5562) اور مسلم (1960)(3) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ بخاری کے ہیں۔

(2) اسے بخاری (965) اور مسلم (1961) نے روایت کیا ہے۔

اور قربانی کا وقت عید الاضحی کے دن (یوم النحر) نمازِ عید کے بعد سے 13 ذوالحجہ کے غروبِ آفتاب تک جاری رہتا ہے۔یعنی: 10 ذوالحجہ (یوم النحر)، 11 ذوالحجہ (یوم التشریق الأول)، 12 ذوالحجہ (یوم التشریق الثاني)، 13 ذوالحجہ (یوم التشریق الثالث) غروب آفتاب تک، دلیل: نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: «كُلُّ أَيَّامِ التَّشْرِيقِ ذَبْحٌ» یعنی: "تمام ایام تشریق (11، 12، 13 ذوالحجہ) قربانی کے دن ہیں۔" [رواہ الإمام أحمد] (١)، ایام تشریق کی راتوں میں بھی اگر ذبح کیا جائے تو صحیح ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔

بہتر یہ ہے کہ قربانی یوم النحر (10 ذوالحجہ) کو کی جائے عید کی نماز اور خطبہ مکمل ہونے کے بعد۔اس لیے کہ نبی ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔اور یہ عمل خیرات میں جلدی کرنے کے سبب زیادہ فضیلت والا ہے۔

سنّت ہے کہ اونٹ کو کھڑا کرکے اس کا بایاں ہاتھ باندھ دیا جائے، پھر نیزہ یا اس کے مانند چیز سے اس کے گردن کے نیچے وَهْدَةِ یعنی گردن کے اصل (جڑ) اور سینے کے درمیان نچلا حصہ پر مار کر نحر کیا جائے۔جیسا کہ زیاد بن جبیر سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا: "میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ ایک شخص کے اونٹ کو ذبح کر رہے تھے جسے اس نے جھکایا تھا، اور کہا: 'اسے کھڑا کرکے باندھ دو، یہ محمد ﷺ کی سنت ہے"۔(٢) اور بقر اور بھیڑ کو ذبح کرنا سنت ہے گردن کے اوپر، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً﴾ [البقرہ: 10]، اور انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ "نبی

([1]) اسے احمد (16752)، بیہقی (295/9)، ابن حبان (الإحسان 3854)، اور دار قطنی (4758) نے روایت کیا ہے۔امام ہیثمی نے فرمایا: "احمد وغیرہ کے رواۃ ثقہ ہیں" (مجمع الزوائد 25/4)۔اور ابن القیم نے زاد المعاد (291/2) میں کہا: "یہ حدیث دو مختلف سندوں سے مروی ہے جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں"۔ شیخ البانی نے سلسلہ الصحیحۃ (621/5) میں فرمایا: "میرے نزدیک یہ حدیث مذکورہ شواہد کی بنا پر حسن کے درجے سے کم نہیں ہے، خصوصاً جب کہ صحابہ کی ایک جماعت نے بھی اس پر عمل کیا ہے"۔

([2]) اسے بخاری (1713) اور مسلم (1320) نے روایت کیا ہے۔

ﷺ دو میمنے قربان کیا کرتے تھے اور وہ خود ہاتھ سے انہیں ذبح کرتے تھے" (متفق علیہ) (١)۔ اور اگر اونٹ کو ذبح اور گائے اور بھیڑ کو نحر کیا جائے تو جائز ہے، کیونکہ یہ ذبح کے محل سے متجاوز نہیں ہوتا، اور حضور ﷺ کے عام قول کے مطابق: "جس نے خون بہایا اور اس پر اللہ کا نام لیا، تو تم اسے کھاؤ" (متفق علیہ) (٢)۔

بہتر ہے کہ جو قربانی دے رہا ہے وہ خود ذبح کرے اگر اسے ذبح کرنا آتا ہو، کیونکہ نبی ﷺ نے اپنی قربانی خود ہاتھ سے ذبح کی۔ اور ذبح کے لیے کسی کو مقرر کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ نبی ﷺ نے اپنے ہدیٰ میں ٣٦ اونٹ ذبح کیے اور باقی کا ذبح علی رضی اللہ عنہ کو سونپ دیا۔ (مسلم) (٣)۔ اور بہتر یہی ہے کہ اگر ذبح کے لیے کسی کو مقرر کرے تو خود اس موقع پر موجود رہے۔

ذبح کرتے وقت ضروری ہے کہ وہ "بِسْمِ اللهِ" کہا جائے۔ اور مستحب ہے کہ اس کے ساتھ "وَاللهُ أَكْبَرُ" بھی کہا جائے۔ اور بہتر یہ ہے کہ قربانی جس کے لیے کی جا رہی ہے اس کا نام بھی لیا جائے، کیونکہ نبی ﷺ نے اپنی قربانی ذبح کرتے وقت کہا: "بِسْمِ اللهِ، اللَّهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ، وَمِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ" (مسلم) (٤)۔

قربانی کرنے والے کے لیے یہ سنت ہے کہ وہ اپنی قربانی کا گوشت خود بھی کھائے، اور اپنے قریبی رشتہ داروں، پڑوسیوں، اور دوستوں کو تحفہ دے، اور فقیروں کو صدقہ کرے۔ گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کرنا مستحب ہے، جیسا کہ

---

(1) اسے بخاری (5564) اور مسلم (1966) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے بخاری (3075) اور مسلم (1968) نے روایت کیا ہے۔

(3) اسے مسلم (1218) نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

(4) اسے مسلم (1967) نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ(١)﴾ [سورۃ الحج: 36] اور ظاہری طور پر آیت میں تین حصوں کی تقسیم کا حکم ہے۔ اور علقمۃ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عبداللہ نے مجھے اپنی قربانی بھیجی اور مجھے حکم دیا کہ جب میں اسے ذبح کروں تو اس کے گوشت کا ایک حصہ صدقہ کردوں، ایک حصہ میں کھاؤں، اور ایک حصہ اس کے بھائی کے اہل خانہ کے پاس بھیج دوں(٢)۔ اور قربانی کے گوشت کی تقسیم کا معاملہ وسیع ہے۔

قصاب کو قربانی کے گوشت میں اجرت دینا جائز نہیں؛ کیونکہ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کی قربانی پر نگرانی کروں، اور اس کا گوشت، کھال اور اوجھڑی اسے صدقہ کروں، اور قصاب کو اس میں سے کچھ نہ دوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہم اسے اپنی طرف سے دیں گے" (متفق علیہ)(٣)۔ البتہ، قصاب کو قربانی میں سے کچھ دیا جاسکتا ہے لیکن اجرت کے طور پر نہیں، مثلاً ضرورت مند ہونے کی وجہ سے صدقہ کے طور پر یا تحفہ کے طور پر دیا جاسکتا ہے۔

قربانی میں سے کسی چیز کی فروخت جائز نہیں؛ جیسا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں ہے۔

اللہ ہم سے قبول فرمائے، وہی سب کچھ سننے والا اور جاننے والا ہے، اور ہماری توبہ قبول فرمائے، بے شک وہی بڑا توبہ قبول کرنے والا اور نہایت مہربان ہے، واللہ أعلم۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو، اور درود وسلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ، ان کے اہلِ بیت اور تمام صحابہ کرام پر۔

☆☆☆

---

(1) "قانع اور معتر کے مفہوم میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام قرطبیؒ نے اپنی تفسیر (65/12) میں فرمایا: "امام مالکؒ فرماتے ہیں: اس بارے میں سب سے بہترین قول جو میں نے سنا وہ یہ ہے کہ قانع سے مراد وہ فقیر ہے جو مانگتا نہیں، اور معتر وہ شخص ہے جو مہمان یا سائل کے طور پر (قربانی کرنے والے کے پاس) آتا ہے"۔

(2) اسے ابن ابی شیبہ نے المصنف (13190) میں روایت کیا ہے۔

(3) اسے بخاری (1716) اور مسلم (1317) نے روایت کیا ہے، اور احمد نے (1325، 1326) میں بھی روایت کیا ہے، الفاظ احمد کے ہیں۔

نواں سبق: عرفہ کا دن غیر حاجیوں کے لیے[۱]

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، اور درود و سلام ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے آل و اصحاب پر ہو، آمین۔ بعد ازاں:

بے شک عرفہ کا دن ایک عظیم اور باعظمت دن ہے، اور وہی "یومِ مشہود" ہے جس کی قسم اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک میں کھائی ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَالْيَوْمِ الْمَوْعُودِ ۝ وَشَاهِدٍ وَمَشْهُودٍ﴾ [سورۃ البروج، آیت: 2-3] اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "یومِ موعود قیامت کا دن ہے، یومِ مشہود عرفہ کا دن ہے، اور شاہد جمعہ کا دن ہے"۔ (ترمذی)[۲] امام بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اکثر مفسرین کے نزدیک شاہد سے مراد جمعہ کا دن ہے اور مشہود سے مراد عرفہ کا دن ہے"[۳]۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفجر میں بھی اس دن کی قسم کھائی، فرمایا: ﴿وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ﴾ [سورۃ الفجر، آیت: 3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: "وتر سے مراد عرفہ کا دن ہے، اور شفع سے مراد قربانی کا دن (یعنی یوم النحر) ہے[٤]"۔

عرفہ کے دن کا روزہ غیر حاجیوں کے لیے سنت ہے، اور اس روزے میں بہت بڑا فضل ہے۔ یہ روزہ پچھلے سال اور آنے والے سال کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ حضرت ابو قتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرفہ کے دن کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: "یہ پچھلے اور آنے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہے"۔ اور ایک روایت میں

([1]) اس سبق کو ذوالحجہ کی آٹھویں تاریخ کو پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

([2]) اسے ترمذی (۳۳۳۹) نے روایت کیا ہے، اور علامہ البانیؒ نے اسے "صحیح الجامع الصغیر" (۸۲۰۱) میں حسن قرار دیا ہے۔

([3]) ملاحظہ کریں: تفسیر بغوی (۲۳۲/۵)۔

([4]) ملاحظہ کریں: تفسیر طبری (۳۹۷/۲۴)۔

ہے: "میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ عرفہ کے دن کا روزہ پچھلے سال اور آنے والے سال کے گناہوں کا کفارہ ہوگا"۔ مسلم نے روایت کیا ہے(۱)

اور جو حاجی ہو اسے عرفہ کا روزہ نہیں رکھنا چاہیے؛ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں عرفہ کا روزہ نہیں رکھا۔اور روزہ رکھنے سے حاجی کی طاقت کم ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ دن کے آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرنے میں کمزور ہو جاتا ہے۔

غیر حاجیوں کے لیے مخصوص تکبیر کا آغاز یوم عرفہ کی صبح نماز فجر کے بعد ہوتا ہے اور یہ آخری ایامِ تشریق کی عصر کی نماز کے بعد تک جاری رہتا ہے۔امام احمد نے صحابہ کرام کے اس بات پر اجماع نقل کیا ہے(۲)۔ تکبیر مقید کو تین بار استغفار ، اور اس دعاء : "اللَّهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنكَ السَّلامُ تَبَارَكْتَ يَا ذَا الجَلَالِ وَالإِكْرَامِ" کے بعد کہا جائے ہوگا ۔ پھر تکبیر کے بعد نماز کے اذکار مکمل کیے جائیں گے۔اور مطلق اور مقید دونوں طرح کی تکبیرات عرفہ کے دن فجر سے لے کر آخری ایام تشریق کے سورج غروب ہونے تک یکجا ہو جاتی ہیں۔

جو شخص نفل کی نیت سے عرفہ کے دن روزہ رکھے اور اس پر رمضان کے قضاء کے روزے بھی ہوں، تو اس کا روزہ صحیح ہے، اگرچہ اس کا یہ عمل بہتر طریقے کے خلاف ہے؛ کیونکہ فرض روزے کے قضاء کو جلدی پورا کرنا نفل رکھنے سے افضل ہے۔

اگر کوئی شخص عرفہ کے دن قضاء کی نیت سے روزہ رکھے تو یہ قضاء کے لیے کافی ہے، لیکن اسے روزہ عرفہ کا نفل ثواب حاصل نہیں ہوگا۔بہتر یہ ہے کہ انسان اپنی واجب قضاء روزے کی ادائیگی عرفہ

---

(1) اسے امام مسلم (۱۱۶۲) نے روایت کیا ہے۔

(2) ملاحظہ کریں: فتح الباری لابن رجب (۹/۲۲)۔

کے دن سے پہلے کر لے تاکہ عرفہ کے دن نفل روزہ رکھ کر دونوں کا اجر حاصل کر سکے، یعنی فرض روزے کی جلد ادائیگی اور نفل روزے کی فضیلت دونوں۔

اگر یوم عرفہ اور یوم جمعہ ایک ہی دن آ جائیں، تو عرفہ کے دن کا روزہ الگ سے رکھنے میں کوئی حرج نہیں، اور یہ حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں وارد منع میں داخل نہیں ہوتا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا": جمعہ کی رات کو دیگر راتوں سے الگ خاص عبادت نہ کرو، اور جمعہ کے دن کو دیگر دنوں سے الگ خاص روزہ نہ رکھو، مگر یہ کہ وہ روزہ وہی ہو جو تم عام طور پر رکھتے ہو"۔(مسلم) (۱)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" کوئی شخص جمعہ کے دن روزہ نہ رکھے، مگر وہ اس سے پہلے یا بعد میں بھی روزہ رکھے"۔(متفق علیہ) (۲)

یہ روایات جو منع کرتی ہیں وہ صرف اس وقت لاگو ہوتی ہیں جب کوئی شخص جمعہ کو صرف اسی وجہ سے روزہ رکھے کہ وہ جمعہ ہے۔ لیکن اگر کسی نے عرفہ کے دن روزہ رکھا تو یہ منع میں شامل نہیں، البتہ بہتر ہے کہ وہ اس سے ایک دن پہلے روزہ رکھے تاکہ دونوں حدیثوں کی حفاظت ہو اور اجر میں اضافہ ہو۔

اگر یوم عرفہ اور یوم ہفتہ (ہفتے کا دن) ایک ہی دن آ جائیں تو عرفہ کے دن کا روزہ الگ سے رکھنا جائز ہے؛ کیونکہ ہفتے کے دن روزہ رکھنے کے متعلق جو حدیث منع کرتی ہے وہ ضعیف (کمزور) ہے، کیونکہ وہ دوسرے صحیح احادیث سے متصادم ہے۔

---

(1) اسے امام مسلم (۱۱۴۴) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے امام بخاری (۱۹۸۵) اور امام مسلم (۱۱۴۴) دونوں نے روایت کیا ہے۔

یوم عرفہ میں غیر حاجیوں کے لیے وہی چیزیں مشروع ہیں جو عشرے کے دیگر دنوں میں مشروع ہیں، یعنی اللہ کی اطاعت میں جلد بازی کرنا اور نیک اعمال میں محنت کرنا۔ البتہ یوم عرفہ کو خاص طور پر عصر کی نماز کے بعد مساجد میں بیٹھ کر ذکر و دعا کرنا اور اس کی فضیلت کا یقین کرنا، تاکہ اہل عرفات کی مشابہت کی جائے، یہ جائز نہیں کیونکہ اس سلسلے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

جہاں تک بات ہے اس شخص کی جو عرفہ کے دن عصر کی نماز کے وقت مسجد میں قرآن پڑھنے، ذکر اور دعا کرنے کے لیے بیٹھتا ہے کیونکہ یہ عشرے کے دنوں میں سے ایک دن ہے، یا وہ مسجد میں مغرب کی نماز کا انتظار کرتا ہے — نہ کہ یوم عرفہ کی خاصیت کی وجہ سے — تو یہ منع میں داخل نہیں ہوتا؛ کیونکہ یہ عشرے کے دنوں میں نیک اعمال کا حصہ ہے۔

اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے اس عشرے میں رکھے ہوئی روزے اور نیک اعمال کو قبول فرمائے، ہمارے گناہوں اور کوتاہیوں کو معاف کرے، اور اپنی رحمت سے ہم پر رحم فرمائے، جو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، واللہ اعلم۔

اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے اہل بیت و اصحابِ کرام پر درود و سلام نازل فرما۔

☆☆☆

دسواں سبق: یوم النحر کی فضیلت اور احکام[۱]

الحمد لله وحده، والصلاة والسلام على نبينا محمدٍ وعلى آله وأصحابه أجمعين، أما بعد:

اسلام میں عید ایک شریعت اور عبادت ہے جس کے ذریعے اللہ عزوجل کا قرب حاصل کیا جاتا ہے، اور یہ اہم ترین عبادات کے ساتھ گہرا تعلق رکھتی ہے۔ عید الفطر روزے اور قیام کی عبادت کے بعد آتی ہے، اور عید النحر مبارک عشرے کے آخری دن، یعنی یوم عرفہ کے بعد آتی ہے۔

○ اور یوم النحر ایک عظیم اور شریف دن ہے، اور یہ سال کے بہترین دنوں میں سے ہے۔
عبداللہ بن قرط رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے عظیم دن یوم النحر ہے"۔ (أبوداود)[۲]

اور یوم النحر ذی الحجہ کے دس دنوں کا آخری اور بہترین دن ہے، اور یہ حج کا سب سے بڑا دن ہے؛ کیونکہ اس دن مختلف عبادات کا اجتماع ہوتا ہے جو سال کے دیگر دنوں میں نہیں ہوتا۔ یوم النحر کی صبح فجر کے وقت بہت سے حاجی مشعر مزدلفہ میں فجر کی نماز ادا کرتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ سے دعا اور تضرع کرتے ہیں یہاں تک کہ طلوع آفتاب ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ منیٰ کی طرف روانہ ہوتے ہیں، **جہاں وہ جمرۃ العقبۃ پر سات کنکریاں پھینکتے ہیں، قربانی دیتے ہیں، اور سر منڈواتے یا بال کٹواتے ہیں۔ پھر وہ بیت اللہ کا طوافِ افاضۃ کرتے ہیں اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں،** اس کے بعد واپس منیٰ چلے جاتے ہیں تاکہ وہاں ذی الحجہ کی گیارہویں رات گزاریں۔ یہ عبادات کسی اور دن سال میں جمع نہیں ہوتیں سوائے

---

(1) اس سبق کو ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو پڑھنے کی تجویز دی جاتی ہے۔

(2) اسے ابوداود (١٧٦٥)، امام احمد (١٩٠٧٥) اور بیہقی نے السنن الکبری (١٤٦٨٥) میں روایت کیا ہے۔ بیہقی نے کہا: "اس کی سند حسن ہے"، اور علامہ البانی نے اسے الإرواء (١٩٥٨) میں صحیح قرار دیا ہے۔

یوم النحر کے۔اور جو غیر حاجی باشندے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کی قربت کے لیے عید الاضحیٰ کی نمازادا کرتے ہیں اور قربانی دیتے ہیں۔

اور جو شخص عشر ذی الحجہ کے شروع ہوتے وقت قربانی کا ارادہ نہیں رکھتا تھا، پھر عید کے دن یا اس کے بعد کے ذبح کے دنوں میں قربانی کرنا چاہے، تو اس کے لیے قربانی کرنا جائز ہے، لیکن اس کو چاہیے کہ جب سے اس نے نیت کی ہو، تب سے اپنے بال، ناخن اور جسم کی جلد کو نہ کاٹے یا نہ چھوئے جب تک کہ اپنی قربانی نہ کر لے۔

اور قربانی کے معاملے میں ایک اہم بات جو عقیدے سے متعلق ہے وہ یہ ہے کہ قربانی کے خون کا بہانا عبادت ہے جسے اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص کیا جانا چاہیے۔اسی طرح ہدی اور عقیقہ کا ذبح بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہی کیا جاتا ہے۔اگر اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کے لیے کیا جائے تو یہ شرکِ اکبر ہے جو کہ اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔جو لوگ اولیاء، صالحین یا قبروں والے لوگوں کے لیے قربانیاں ذبح کرتے ہیں، وہ شرکِ اکبر میں مبتلا ہوتے ہیں جو توحید کے منافی ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾ [سورۃ الکوثر:2] یعنی: "اپنے رب کے لیے ذبح کرو، نہ کہ کسی اور کے لیے"۔اور فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [سورۃ الانعام:162-163] یعنی: کہہ دو کہ میری نماز، قربانی، میری زندگی اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین کے لیے ہیں، جس کا کوئی شریک نہیں۔" اور نُسُکی سے مراد میرا ذبح کرنا ہے۔

○ مسلمان کے لیے فرض ہے کہ وہ نماز عید الاضحیٰ ادا کرے، اور یہ فرض کفایہ ہے، یعنی اگر کچھ لوگ ادا کر لیں تو دوسروں پر سے فرض ختم ہو جاتا ہے۔ لیکن بعض علماء کا کہنا ہے کہ مردوں پر یہ فرض عین ہے یعنی ہر مرد پر واجب ہے۔ نماز عید سے پہلے غسل کرنا، صفائی ستھرائی کرنا، خوشبو لگانا، اور بہترین کپڑے پہننا اور مکمل تیار ہو کر جانا سنت ہے۔اور جس کے پاس قربانی ہو، اس کے لیے یہ سنت ہے

کہ وہ نماز سے پہلے کھانا نہ کھائے بلکہ پہلے قربانی کرے اور پھر قربانی کے گوشت میں سے کھائے۔ یہ بھی سنت ہے کہ اگر ممکن ہو تو نماز عید کے لیے پیدل جائے، اور نبی ﷺ کی ہدایت کے مطابق راستے کو جان بوجھ کر بدلا جائے یعنی عید کی نماز کے لیے ایک راستہ جائے اور واپسی میں دوسرا راستہ اختیار کرے۔

لوگوں کے لیے ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دینا جائز ہے، اور وہ ایک دوسرے سے کہہ سکتے ہیں: "تقبل الله منا ومنك" یعنی اللہ ہمیں اور تمہیں قبول فرمائے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمیں اچھی سند کے ساتھ یہ روایت ملی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب عید کے دن ایک دوسرے سے ملتے تو ایک دوسرے سے کہتے: "تقبل الله منا ومنك"[1]۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ملنے والے کے چہرے پر خوشی اور مسکراہٹ بھی ظاہر کرتے تھے۔

عید کے دن مستحب اعمال میں سے: اپنے اہل خانہ پر سخاوت کرنا اور ان کے چہروں پر خوشی و مسرت کا اضافہ کرنا شامل ہے، البتہ یہ بات ضروری ہے کہ ان کا کھیل کود اور تفریح اللہ تعالیٰ کی اجازت دی ہوئی حدود میں ہو۔

عید کے دن مسلمانوں کے درمیان تعلقات مضبوط ہوتے ہیں، وہ اپنے رشتہ داروں، پڑوسیوں اور دوستوں سے ملتے ہیں، دل ایک دوسرے کے قریب آجاتے ہیں، اور بہت سے جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ خاص طور پر وہ شخص جو دنیاوی جھگڑوں یا شیطانی وسوسوں کی وجہ سے اپنے مسلمان بھائی سے کٹا ہوا ہو، اس پر واجب ہے کہ وہ جلد از جلد اسے ملے اور سلام کرے۔ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کو تین دن

---

(1) ملاحظہ کریں: فتح الباری (۲/۴۴۶)۔

سے زیادہ ترک کرے، وہ دونوں ملیں اور دونوں منہ پھیر لیں، اور ان میں سے بہتر وہ ہے جو پہلے سلام کرے"۔ (متفق علیہ) [۱]

یوم النحر کا روزہ حرام ہے، کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دنوں کے روزے سے منع فرمایا ہے: یعنی عید الفطر کا دن اور عید النحر کے دن"۔ یہ متفق علیہ روایت ہے [۲]۔

ایام التشریق کے تینوں دن روزہ رکھنا بھی ممنوع ہے، مگر ان لوگوں کے لیے استثناء ہے جن (تمتع یا قران کرنے والے حاجیوں) کے پاس قربانی کے جانور نہیں ہیں، تو ان کے لیے روزہ رکھنا جائز ہے۔ اس کا سبب وہ حدیث ہے جو ابن عمر اور عائشہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "ایام التشریق میں روزہ رکھنے کی اجازت نہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کے پاس قربانی کا جانور نہیں ہوتا"۔ (صحیح البخاری) [۳]۔

اس لیے جو شخص ہر مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ کو، یعنی ایام البیض کے روزے رکھتا ہے، اس کے لیے جائز نہیں کہ وہ ذوالحجہ کے تیرہویں دن روزہ رکھے، کیونکہ اس روزے کے بارے میں ممانعت آئی ہے۔

اور مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ عید کی نعمتوں کو یاد رکھیں، اور ان نعمتوں کا شکر اپنے دلوں، زبانوں اور عمل سے ادا کریں۔ کیونکہ شکر کرنے سے نعمتیں برقرار رہتی ہیں اور ناشکری سے عذاب نازل ہوتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِن كَفَرْتُمْ إِنَّ

---

(1) اسے بخاری (٦٠٧٧) اور مسلم (٢٥٦٠) نے روایت کیا ہے۔

(2) اسے بخاری (١١٩٧) اور مسلم (٨٢٧) نے روایت کیا ہے، اور الفاظ صحیح مسلم کے ہیں۔

(3) اسے بخاری (١٩٩٧) نے روایت کیا ہے۔

﴿عَذَابِي لَشَدِيدٌ﴾ [سورۃ ابراہیم: 7]، ترجمہ: (اور جب تمہارے پروردگار نے تمہیں آگاہ کردیا کہ اگر تم شکر گزاری کروگے تو بیشک میں تمہیں زیادہ دونگا اور اگر تم ناشکری کروگے تو یقیناً میرا عذاب بہت سخت ہے)۔اور جو نعمتیں ہمیں اس ملک، سعودی عرب میں حاصل ہیں، وہ بے شمار ہیں، یہ سب اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہیں، اور پھر اس بات کی وجہ سے کہ ہمیں توحید کا علم دیا گیا، عبادت صرف اللہ کے لیے کی جاتی ہے، اور ہم ایک امام کے تحت متحد ہیں۔ اس لیے ہم امن وامان، سکون اور راحت میں زندگی گزار رہے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ہم ان نعمتوں کی حفاظت کریں، جماعت کے ساتھ رہ کر، فرقہ بندی اور تحزب سے بچتے ہوئے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ [سورۃ آل عمران: 103] اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "الجماعة رحمة، والفرقة عذاب" (مسند الإمام أحمد)(١) یعنی جماعت رحمت ہے اور فرقہ بندی عذاب۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یہ عید ہمیں بار بار اور برسوں برسوں تک نصیب ہو، اور ہم اور تمام مسلمان ہمیشہ فتح، عزت پانے والے اور دین پر ثابت قدم رہیں۔ ہم اللہ سے یہ بھی دعا کرتے ہیں کہ ہمارے ولاۃ أمر (حکمران) کو اس اچھے کام کے صلے میں بہترین اجر دے، جو وہ ان مبارک دنوں میں حج و عمرہ کرنے والوں اور زائرین کی خدمت میں انجام دے رہے ہیں۔ اللہ کرے یہ سب ان کے حسنات کے میزان میں شامل ہوں، اور اللہ ان کے ذریعے دین کی مدد فرمائے، اور مسلمانوں کے درمیان اتحاد قائم رکھے، اور ہمارے ملک اور تمام مسلمانوں کے ملکوں کو ہر برائی اور نقصان سے محفوظ رکھے، واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نبی محمد ﷺ اور ان کے آل واصحاب پر اپنی رحمت و برکت نازل فرمائے۔

☆☆☆

---

(1) اسے امام احمد (١٨٤٤٩) اور ابن ابی عاصم نے السنة (٩٣) میں حضرت نعمان بن بشیرؓ کی حدیث سے روایت کیا ہے۔ اور علامہ البانی نے السلسلة الصحيحة (٦٦٧) میں اس کی اسناد کو حسن قرار دیا ہے۔

وزارت برائے امورِ اسلامی اور دعوت وارشاد نے ایک مختصر کتاب کی تیاری کا اہتمام کیا، جو **ماہِ رمضان اور عشرۂ ذوالحجہ کے دروس** پر مشتمل ہے۔ اس میں وہ تمام ضروری احکام اور فضائل شامل کیے گئے ہیں، جن کی ان مبارک اوقات میں مسلمانوں کو ضرورت ہوتی ہے، جیسے: **روزے، زکوٰۃ، قیام، تلاوتِ قرآن، حج، عمرہ اور قربانی کے احکام، مسلمان کے عقیدے سے متعلق ضروری امور، نیک اعمال کی ترغیب اور گناہوں سے اجتناب کی تلقین، آخرت کی یاددہانی۔**

یہ کتاب **اس مبارک ملک میں دیئے جانے والے فتاویٰ** کی روشنی میں تیار کی گئی ہے، اور اس میں **اللجنۃ الدائمۃ للإفتاء** اور **شیخ عبدالعزیز بن باز** اور **شیخ محمد بن صالح العثیمین رحمہما اللہ** کے فتاویٰ کو بنیاد بنایا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، اس کی تیاری میں **"الفقہ المیسر"** نامی کتاب سے بھی استفادہ کیا گیا، جو وزارتِ امورِ اسلامی اور دعوت وارشاد کی جانب سے شائع کی گئی ہے۔

د. عبداللطیف بن عبدالعزیز بن عبدالرحمن آل الشیخ

وزیر امورِ اسلامی اور دعوت وارشاد